عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

طلوعِ اسلام

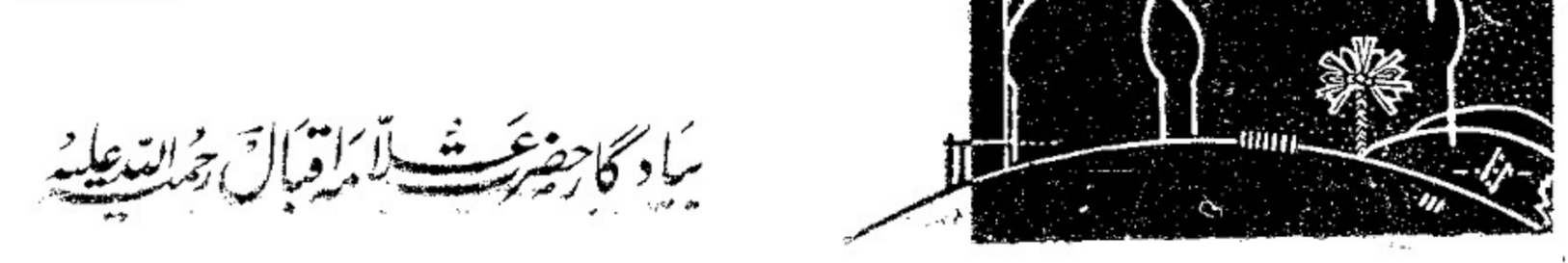

May 1939

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

مطبوعات دائرہ طلوع اسلام

الحمدللہ کہ دائرہ طلوع اسلام کی مطبوعات نے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی شہرت حاصل کرلی ہے۔ واردھا اسکیم کے تین ایڈیشن نکل چکے گفتگوئے مصالحت دوبارہ طبع کرائی گئی اس طرح دیگر رسائل بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہے ہیں۔ ان مطبوعات کی خصوصیت یہ ہے کہ انکا نفع کسی فرد واحد کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ اسکو طلوع اسلام کی ترقی اور دیگر تالیفات پر صرف کیا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرت

مشہور متکلم اسلام مولانا غلام احمد صاحب پرویز نے اس رسالہ میں صحیح اسلامی معاشرتی زندگی کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم انسانی زندگی کو کس سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے اگر آپ اپنی زندگی کا نصب العین معلوم کرکے اپنی سیرت کی تشکیل قرآن کریم کی مدد سے کرنا چاہتے ہیں تو اسے ضرور ملاحظہ کیجیے۔ قیمت ۴ محصولڈاک ا ر

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

از جناب رازی ؛ اس کا چوتھا ایڈیشن بھی جو کئی ہزار کی تعداد میں چھپا تھا ختم ہو رہا ہے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اس کی مانگ جاری ہے۔

قیمت مع محصول ۱ ۔ ر

سوراجی اسلام

از جناب رازی، سیاسیات ہند میں تہلکہ ڈالنے والی کتاب جنے کانگرسی لیڈروں کے عزائم کو بے نقاب کر دیا ہے، الہلال کے دور اول میں مولانا ابو الکلام آزاد کے خیالات کیا تھے۔ اسلامی تہذیب کو مٹانے کے لیے کانگرسیوں کا متحدہ محاذ قیمت فی نسخہ ۲ ر محصول ۵ ر

زبان کا مسئلہ

از جناب رازی۔ اس رسالہ میں نہایت شرح وبسط کے تھا بتایا گیا ہے کہ کانگرسی اور غیر کانگرسی ہندو کس طرح اُردو کو تباہ کرکے ہندی اور سنسکرت کو ہندوستان کی قومی زبان بنا رہے ہیں۔ کانگرسی حکومتوں کے سرکاری ریکارڈ سے بتایا گیا ہے کہ ہندو وزیر اُردو کو برباد کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کر رہے ہیں قیمت ۱۔ علاوہ محصول

دفتر طلوع اسلام بلیماران دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

دور جدید

مرتب
محمد ظہیر الدین صدیقی بی۔ ایس سی

بدل اشتراک
فی پرچہ آٹھ آنہ
پانچ روپیہ سالانہ

جلد (۲) شمارہ ۱ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق مئی ۱۹۳۹ء

فہرست مضامین

۱۔ افتتاحیہ	علامہ اقبالؒ	۳
۲۔ لمعات	ادارہ	۴-۱۳
۳۔ حقائق و عبر	رازی	۱۴-۲۴
۴۔ خدا کی بادشاہت	چودھری غلام احمد صاحب پرویز	۲۵-۴۷
۵۔ مقصود اقبالؒ	اسد ملتانی	۴۸-۴۹
۶۔ اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم	سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی	۵۰-۶۲
۷۔ گوہر نایاب	علامہ اقبالؒ	۶۳-۶۴
۸ صدائے قوم	مولوی احتشام الدین صاحب	۶۵-۷۳
۹۔ پیام اقبالؒ	چودھری غلام احمد صاحب پرویز	۷۴-۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزِ ملت	←	لا اِلٰہَ اِلّا اللہُ ! مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ	→	مرکزِ ملت

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا

مرکزی فیصلوں کی اطاعت ہی ایمان ہے

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا — اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھام لو اور اس سے علیحدہ مت ہو

اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ — بات مانو اللہ و رسولؐ کی جب وہ تمہیں اس بات کیطرف بلائے جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہو

یعنی

مرکزِ مرکز کی اطاعت اور جماعت پیدا کرو

اس لیے کہ

جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا
عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ
(فرمانِ رسولؐ)

جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں !
لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ
(قول حضرت عمرؓ)

(اقبال)

چیست ملت اے کہ گوئی لا اِلٰہ — با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

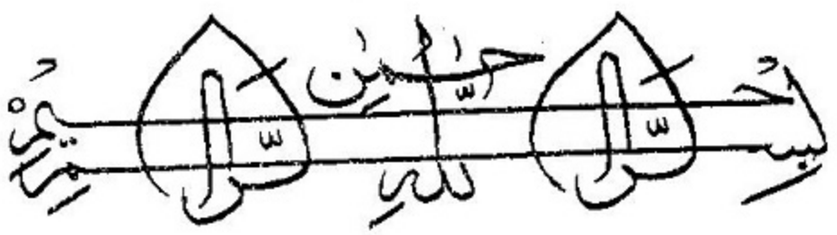

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِفتتاحیہ

جلد دوم طلوع اِسلام

نخواہم ایں جہان و آں جہاں را
مرا ایں بس کہ دانم رمزِ جاں را
سجودے دہ کہ از سوز و سرورش
بوجد آرم زمین و آسماں را

اقبال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَا یَضُرُّکُم مَّن ضَلَّ اِذَا اھۡتَدَیۡتُمۡ

(اگر تم راہِ راست پر ہو تو وہ شخص جو غلط راستے پر جا رہا ہے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا)

ایکہ از خمخانۂ فطرت بجامم ریختی ۔۔۔ زآتشِ صہبائے من بگداز مینائے مرا
عشق را سرمایہ ساز از گرمیٔ فریادِ من ۔۔۔ شعلۂ بیباک گرداں خاکِ سینائے مرا

چوں بمیرم ۔ از غبارِ من چراغِ لالہ ساز
تازہ کن داغِ مرا ۔ سوزاں بہ صحرائے مرا

اس خدائے حی و قیوم کے نام سے جو حیات و قوت کا سرچشمہ اور زندگی و توانائی کا مبدا ہے طلوعِ اسلام اپنی عمر کے دوسرے سال میں اس "شکر و شکایت" کے ساتھ قدم رکھتا ہے کہ

میں بندۂ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا ۔۔۔ رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند
اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو ۔۔۔ لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں ۔۔۔ مرغانِ سحر خواں میری صحبت میں ہیں خورسند
لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے ۔۔۔ جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

شکر ۔ اور بے پایاں شکر ۔ اس کی توجہاتِ کرم کا ۔ اور شکایت ۔ اور بے غایت شکایت ۔ اس تقدیر کی جس کے خلاق خود ہمارے اپنے اعمال ہیں ۔ یہ بکھرا ہوا نظام ہے ۔ بہرحال یہ بھی اُسی کے گوشۂ چشمِ التفات کا تصدق ہے کہ اس جاہلیت کی جہنمی زندگی کا احساس تو ہو گیا جو ایک عرصہ سے جنتِ نگاہ بن رہی تھی ۔ دعا ہے کہ جب یہ احساس دیا ہے تو اس زندگی کو بدل ڈالنے کی توفیق بھی عطا کر دے

بیا ساقی ! بگرداں جامِ مے را ۔۔۔ ز مے سوزندہ تر کن سوزِ نے را

دگر آں دلِ بنہ در سینۂ من — کہ بچشم پنجۂ کاؤس و کے را

زندگی نام ہے آرزو کا — آرزو جس قدر زندہ ہو۔ زندگی اتنی ہی تابندہ ہوتی ہے۔ طلوعِ اسلام زندہ آرزوؤں اور درخشندہ تمناؤں کی ایک حسین جنت در آغوش۔ اس شاہنشاہ دوعالم کے آستانۂ اقدس پر جھولی پھیلائے کھڑا ہے جس کے ابرِ جودو سخا کی گوہرباریوں سے ہر خشک ٹہنی بہارِ صد گلستاں بداماں ہے۔ چہ عجب کہ اُس کی عاجز نوازیوں سے اِسکی شاخِ تمنا بھی سرسبز ہو جائے۔

ارادے نہایت بلند ہیں۔ لیکن انکی تکمیل۔ اے چارہ سازِ بیکساں! صرف تیرے ہاتھ ہے۔ عزائم بڑے راسخ ہیں لیکن ان کی برآوری، اے مدد فرمائے ناتواں! صرف تیری عطا کردہ توفیق پر منحصر ہے لے ربُّ العزّت سہارا صرف تیری ذات کا سہارا ہے۔ آسرا صرف تیرا آسرا ہے۔ باقی بتانِ آذری۔ جو کچھ ابھی ہماری دنیائے تخیلات میں ہے اسے محسوس پیکر عطا فرما دے۔ جو عالمِ تصور میں ہے اُسے مشہود بنا دے۔ بشرطیکہ جو کچھ ہم سوچتے ہیں وہ ہمارے لئے بہتر ہو۔ تیرے بتائے ہوئے راستے کے مطابق ہو ایسے خوابوں کو حقیقت بنا دینا صرف تیرے اختیار میں ہے۔

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو مجھے گوہرِ شاہوار کر

ان دعاؤں اور ان التجاؤں کے بعد ایک نصیحت اس "طفلک یکسالہ" (طلوعِ اسلام) کے لئے بھی ہے۔

آفریدند اگر شبنمِ بے مایہ ترا — خیز و بر داغِ دلِ لالہ چکیدن آموز
اگرت خارِ گلِ تازہ رسے ساختہ اند — پاسِ ناموسِ چمن دار و خلیدن آموز
باغباں گر ز خیابانِ تو برکند ترا — صفتِ سبزہ دگر بار دمیدن آموز

تا نو سوز نم تر و تیغ تر آئی بیروں
عزلت خم کدۂ گیرو رسیدن آموز

واللہ المستعان۔ علیہ توکلت والیہ انیب۔ و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

حسب اعلان "مجلس مرکزیہ یوم اقبال" کی طرف سے لاہور میں ۹، ۱۰ و ۱۳ اپریل کو یوم اقبال نہایت تزک و احتشام اور خلوص و محبت سے منایا گیا جس کے لئے ارکان مجلس قلبی ہدیہ تبریک و تہنیت کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جواں ہمت و جوان بخت نونہالانِ ملت بیضا کے عزائم میں استقامت۔ ارادوں میں برکات۔ اور جذباتِ خلوص و ایثار میں فراوانی عطا فرمائے کہ جو کام انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ درحقیقت ایک جہانِ نو کی تعمیر ہے۔ جو حضرتِ علامہ علیہ الرحمۃ کے تصورات کی بنیادوں پر استوار ہوگا۔ ان "شاھین بچوں" کے اجتماع سے یہ حقیقت واضح ہوتی تھی کہ حضرتِ علامہؒ کا لاہور میں قیام ملت اسلامیہ کے لئے کس قدر اُمید افزا مستقبل کا موجب بنا۔ پنجاب بھر کے بہترین طالب علم چاروں طرف سے سمٹ سمٹا کر لاہور کے کالجوں میں آجاتے۔ حضرت علامہؒ کی نگہ جوہر شناس فوراً بھانپ لیتی کہ ان نوجوانوں میں کون کون سے قلوب و اذھان اپنے اندر اسلامی اثرات قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ ان نوجوانوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اور یہ طالب علم ان کی خدمت میں بہریاب ہوکر ان کے سحابِ کرم سے فیض یاب ہوتے رہتے۔ اس طرح ان ہونہار نوجوانوں کو کم از کم پانچ سات برس کا عرصہ ایسا مل جاتا جس میں انکی نگاہ کے زاویے درست ہوجاتے اور ان میں سے اکثر میں صحیح اسلامی ذوق پیدا ہو جاتا۔ یہی طالب علم کالج سے نکلکر زندگی کے مختلف شعبوں میں فائز المرام ہوتے اور یوں شمعِ اقبال کی مختلف کرنیں اطراف و جوانب میں ضیا پاش ہوتی رہتیں۔ حضرت علامہ کی زندگی میں اس "اقبالی برادری" کو کبھی یکجا جمع ہونے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن ساقی کے اُٹھ جانے سے ان بادہ کشان خمخانۂ حقیقت میں یہ احساس پیدا ہوا اور یہ تقریب ان بکھرے ہوئے پروانوں کو اکٹھا کرنے کے لئے نورانی شمع بن گئی۔ اس اجتماع کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ حضرتِ علامہ کے نگہ جہاں تاب نے ان نوجوانوں کی پاک بین نگاہوں میں کس قدر بصیرت اور رگوں میں کیسا گرم جوش خونِ زندگی پیدا کر دیا ہے۔ فی الحقیقت

قوم کا مستقبل انہی کے ہاتھوں میں ہے۔

لیکن ہم مجلس مرکزیہ کی خدمت میں گذارش کرینگے کہ وہ اپنی سرگرمیٔ عمل کو محض ایک سالانہ تقریب تک ہی محدود نہ رکھیں۔ یہ تقریب تو محض باہمی تعارف اور تجدیدِ پیمانِ محبت کا ذریعہ ہونی چاہیئے اصل کام تو کچھ اور ہے اور وہ بڑا اہم ہے۔ وہ کام ہے پیغامِ اقبالؒ کی نشر و اشاعت۔ اس کے مختلف شعبے ہونگے اور ہر شعبہ کے مختلف عنوانات۔ مثلاً (۱) حضرت علامہ کے مختلف خطوط مضامین۔ تقاریر۔ پیغامات۔ غیر مطبوعہ اشعار۔ وغیرہ نہایت حزم و احتیاط سے اکٹھے کئے جائیں اور انکی مستند طریقہ سے اشاعت کی جائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ لوگ جن کی بسر اوقات "بزرگوں کی ہڈیاں" بیچ کھانے پر ہے کس طرح اقبال کے نام سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ یہ چیز اصلی کام اور قوم دونوں کی تباہی کا موجب ہے۔

(۲) ایک ریسرچ سوسائٹی قائم کی جائے جو پیغام اقبالؒ کے متعلق مختلف گوشوں سے تحقیق کرے اور تحقیق کے نتائج منصۂ شہود پر آتے رہیں۔

(۳) حضرت علامہؒ کی زندگی کے متعلق ایک مستند کتاب شائع کی جائے۔

(۴) آپ کے کلام کی عام اشاعت کے لئے اسباب و ذرائع فراہم کئے جائیں۔

(۵) آپ کے نوادرات کی حفاظت کا سامان کیا جائے۔

(۶) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت علامہؒ کے پیام کی قرآن کریم کی روشنی میں تشریح و تفسیر عام کی جائے ان امور کے لئے یقیناً سرگرمیٔ عمل اور استقامتِ عزم کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں اُمید واثق ہے کہ مجلس مرکزیہ کے ارکان میں ان چیزوں کی کمی نہ ہوگی۔ اس ضمن میں طلوعِ اسلام کی خدمات ہر وقت حاضر ہیں۔

لیکن ان تمام مقاصد میں کما حقہٗ کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ پنجاب میں صحیح اسلامی حکومت قائم ہو جائے اس غرض کے لئے ہم نوجوانانِ پنجاب کو مشورہ دینگے کہ وہ اس خیال کو عام کرتے رہیں کہ مسلمانوں کا صحیح نمائندہ وہی ہو سکتا ہے جو پیامِ اقبال کی روح کو اپنے قلب و دماغ میں جذب کئے ہو۔ اور جس کا ہر قدم اس نصب العین

کی طرف اُٹھے جو حضرت علامہ کے نزدیک سیاست ہند میں مسلمانوں کی مشکلات کا واحد حل تھا۔ ہر وہ جماعت اور وہ نظام جو اس نصب العین کی مخالفت کرے۔ مٹا دیا جائے۔ مسلمانوں کے نزدیک حکومت صرف اسلامی نظام کی حکومت ہے اور بہ حالاتِ موجودہ اس کے قیام کی یہی صورت ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو ایک "وادی ایمن" میں مرکوز کر کے اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کریں۔ اقتدار و اختیار کو اپنے ہاتھ میں لئے بغیر کوئی اصلاح ممکن نہیں۔ زمامِ اختیار جب دوسروں کے ہاتھ میں ہو تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اس کا ذرا سا نظارہ تو آپ نے ۱۰ اپریل کی شام کے اجلاس میں خود کر لیا تھا۔ یہ انتظام کر لیا گیا تھا کہ اجلاس کی کارروائی ریڈیو پر نشر ہو گی۔ جلسہ اسلامی تھا حسب معمول تلاوت قرآن کریم سے اس کی ابتدا ہوئی۔ محکمہ ریڈیو کے اربابِ بست و کشاد جو خیر سے سب مسلمان تھے۔ تمام انتظامات مکمل کئے جلسہ گاہ میں تشریف فرما تھے۔ مائیکروفون قاری صاحب کے سامنے رکھا تھا ہر شخص مطمئن بیٹھا تھا کہ قرآنِ کریم کی قرأت براڈ کاسٹ ہو رہی ہے لیکن باہر ریڈیو سُننے والوں کے کان میں کسی "چھمّن بائی" کی آواز آ رہی تھی۔ یعنے دکھانے کو تو محکمہ ریڈیو والوں نے سب انتظام مکمل کر دیئے تھے لیکن قرآن کریم براڈ کاسٹ کرنے کی بجائے اس وقت ریڈیو اسٹیشن پر ریکارڈ بجائے جا رہے تھے۔ سچ ہے وہ سواری کیا جس کی لگام دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ اگر آپ صاحبِ اختیار ہوتے تو اس وقت وہی کچھ براڈ کاسٹ ہوتا جو آپ کے جلسہ میں ہو رہا تھا۔ یہ تو بے بسی کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بُنیاد

اس لئے سب سے پہلے تمام توجہات اس چیز کی طرف مرکوز کیجئے کہ "تحریکِ تقسیم" جلد از جلد کامیاب ہو اور یوں اس خطہ میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ قرآن اور حکومت کبھی الگ نہیں ہو سکتے۔

ایں دو قوت حافظِ یکدیگر اند
کائناتِ زندگی را محور اند

اگر آپ کے پاس کوئی عمدہ سی نظر فریب نقاب ہو اور باتیں کرنے کا ڈھنگ آتا ہو۔ تو آپ کے لئے اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہو جانا جمہور کی نگاہوں میں دیوتا بن جانا۔ اور ان سے اپنی پرستش کرا لینا

کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ اس حد تک تو آپ یقیناً کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن دشواری وہاں پیش آتی ہے جہاں آپ کی تنگ نظری اور کوتاہ نگہی۔ تعصب اور جنبہ داری کے جذبات آپ کے دماغ پر غالب آجائیں اور آپ اپنی جماعت کے لئے لوٹ کھسوٹ میں اس درجہ منہمک ہو جائیں کہ آپ کو یاد ہی نہ رہے کہ نقاب آپ کے چہرے پر ہے۔ اسی بوکھلاہٹ میں اکثر نقاب اُلٹ جاتی ہے اور دیکھنے والی آنکھیں صاف دیکھ لیتی ہیں کہ پسِ پردہ کیا ہے۔

ہندوستانی سیاست میں ایک اسی قسم کی نقاب پوش شخصیت مہاتما گاندھی کی ہے۔ ہمیں ان کی قابلیتوں کا اعتراف ہے۔ ان کا جذبۂ اخلاص و ایثار بھی تسلیم ہے لیکن یہ قابلیتیں اور یہ خلوص یہ ایثار اور قربانیاں سب کی سب ہندو قوم کے لئے ہیں۔ ہندوؤں کے دائرہ سے باہر کسی انسان کا ان میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ تو ہے حقیقت لیکن تقاضائے مصلحت کے ماتحت مہاتما جی کو نوع انسانی کی ہمدردی "حق پرستی اور معدلت گستری" کی نقاب اوڑھنے کی ضرورت پڑ گئی الفاظ کی حد تک تو یہ نقاب برمحل رہتی ہے۔ لیکن جہاں ہندو اور غیر ہندو کے مفاد کا عملی تصادم ہوتا ہے وہاں یہ نقاب حلپن میں اور حلپن سے دھجیوں میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تعصب و مغائرت جنبہ داری و منافرت کی آندھی ایسے زور سے چلتی ہے کہ یہ دھجیاں فضائے آسمانی میں اُڑتی نظر آتی ہیں۔ یوں تو مہاتما جی کی زندگی میں اس قسم کی ہوائے تیز کے جھونکے اور آندھیاں بکثرت آئیں۔ لیکن جس زور کا جھکڑ پچھلے دنوں قضیۂ راجکوٹ کے سلسلہ میں اُٹھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ٹھاکر صاحب نے ریفارم کمیٹی کی جو تجویز کی تھی۔ اس میں بدبختی سے مسلمان ممبر بھی شامل کر لئے تھے۔ اس کمیٹی کے سلسلہ میں مہاتما جی نے وہ طوفان برپا کیا کہ جس کے اثرات آجتک فضا میں موجود ہیں۔ ڈھونگ یہ پیدا کیا کہ اس کمیٹی کے ارکان کی نامزدگی کا حق ٹھاکر صاحب کو نہیں ہے۔ مہاتما جی اور انکے شرکاء کار کو ہی۔ سلسلہ نے طول کھینچا کسی کو معلوم نہ تھا کہ مہاتما جی کے سینہ پر دراصل کونسا سانپ لوٹ رہا ہے! قضیہ چیف جسٹس صاحب فیڈرل کورٹ کے سپرد ہوا۔ فیصلہ مہاتما جی کے حق میں ہوا۔ حالانکہ یہ اس حکومت کے چیف جسٹس صاحب کا فیصلہ تھا جس حکومت کو مہاتما جی کبھی "شیطان کی حکومت" کہا

کرتے تھے۔ اب جدید کمیٹی کے ارکان کی نامزدگی کا سوال پیدا ہوا۔ مہاتما جی نے سوچا سمجھا "اندرونی روشنی" سے مدد چاہی "آسمانی آواز" کا انتظار کیا۔ بالآخر ایک فہرست مرتب کی اور دیکھنے والی آنکھیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس فہرست میں کسی ایک مسلمان کا بھی نام نہیں۔ تمام کے تمام ارکان ہندو ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ہیں مہاتما جی! تمام نوعِ انسانی کے ہمدرد۔ ہندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھنے کے مدعی تعصب اور جنبہ داری کے جذبات سے بلند۔ دیوتا سروپ!!

ہمیں مہاتما جی سے کوئی گلہ نہیں۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں وہ ایک کٹر ہندو ہیں۔ اور ہندو فطرتاً تنگ نظر واقع ہوا ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی آسمانی تعلیم نہیں جو اُسے یہ سکھائے کہ

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تعدلو۔ اِعْدِلو

کسی قوم سے دشمنی تمہیں کہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ عدل نہ کرو۔ ہمیشہ عدل کرو

اسلئے وہ اپنی قوم کے مفاد کی خاطر۔ دوسروں کے خون کا آخری قطرہ تک چوس لینا بالکل "شیر مادر" کی طرح جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں ان مسلمان قومیت پرست حضرات سے جو مہاتما جی کو ہندوستان کی "متحدہ قومیت" کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں کہ کیا اب بھی انکی آنکھیں نہیں کھلیں؟ ہمارا تو خیال ہے کہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ اگر غیرت وحمیت کی کوئی رمق بھی باقی ہو تو اُسے اُبھر کر سطح پر آجانا چاہیئے۔ راجکوٹ کے مسلمان تڑپ رہے ہیں۔ واویلا مچا رہے ہیں چیختے ہیں۔ چلاتے ہیں لیکن انکی کوئی نہیں سنتا۔ مہاتما جی سے جب پوچھا گیا تو اُنہوں نے نہایت معصومانہ انداز میں فرمادیا کہ میں نے جو ہندو اراکین کمیٹی میں رکھے ہیں۔ وہی مسلمانوں کے حقوق کی بھی نگہداشت کرینگے۔ صحیح! بھیڑیا۔ ریوڑ کا رکھوالا!!

اگر یہی اصول پیش نظر تھا کہ ایک قوم کے نمائندے دوسری قوم کے حقوق کا تحفظ کرسکتے ہیں تو مہاتما جی نے مسلمانوں ہی کی کمیٹی کیوں نہ تجویز کردی!

اللہ اکبر! دنیا میں کتنے کتنے بڑے دھوکے ہیں جن سے انسانیت کو سابقہ پڑتا ہے

خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

لکھنؤ میں "مدح و تبرا" کی تحریک ایک عرصہ سے ہنگامۂ محشر بپا کر رہی ہے لیکن ہم نے اسکے متعلق آجتک ایک لفظ نہیں لکھا۔ اس لئے نہیں کہ ہمنے اسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ بلکہ اس لئے کہ ایک طرف یہ سانحہ اسدرجہ دلخراش و جگرسوز ہے کہ اس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے اور دوسری طرف یہ واقعہ ایسا شرمناک اور تاسف انگیز ہے کہ اس کے تخیل سے گردن فرطِ ندامت سے جھک جاتی ہے۔ جب بھی ہم نے چاہا کہ اس کے متعلق کچھ لکھیں۔ ہاتھ تھرتھرانے لگ گئے ۔ لکھیں تو کیا لکھیں ۔ اور کہیں تو کیا کہیں ؟

ایک حادثۂ جانکاہ ہے کہ جس پر دین و دانش ماتم کناں ہے !

ایک حدیثِ الم ہے کہ

اگر گویم زباں سوزد

وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

ہم اس وقت بھی اس داستانِ جانگداز کو نہ چھیڑتے اگر ہمارے سامنے وہ چند اقتباسات نہ آتے جو معاصر مدینہ نے اپنی ۱۷ اپریل کی اشاعت میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک محض یہ بتانے کی خاطر درج کرتے ہیں کہ جب انسان کا قلب و دماغ غصہ اور تعصب کے جذبات سے ماؤف ہو جاتا ہے تو وہ کیا کچھ کہنے اور کرنے لگ جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ شیعہ حضرات کا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ ہندوؤں کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز ناپاک ہے۔ وہ اسے کبھی استعمال نہیں کرتے۔ لیکن دیکھئے کہ جوشِ غضب میں یہی حضرات کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"سُنّی چونکہ نام نہاد خلفائے ثلاثہ جیسے غاصب و عاصی افراد کی مدح کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ ان کی دکان سے کوئی چیز نہ خریدی جائے اور نہ کسی اور قسم کا کوئی معاملہ ان سے کیا جائے۔ سب کاروبار ہندوؤں سے کیا جائے۔" (تجویز انجمن تنظیم المومنین)

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مساجد (شیعہ حضرات کی ہوں یا سنّیوں کی) اللہ کی عبادت کا مقام ہیں

اور گائے کی قربانی (شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک) خدا کی طرف سے حلال۔ لیکن سیلاب جذبات میں بہہ کر یہ حضرات فرماتے ہیں

"ہم ہندوؤں کو یقین دلاتے ہیں کہ آجتک ہندوستان میں جتنے ہندو مسلم اختلافات ہوئے ان سب سے شیعہ بے تعلق تھے۔ ہم ہندوؤں کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ آزادی کیساتھ مسجدوں کے سامنے باجہ بجائیں۔ اور گائے کی قربانی کو قانوناً جرم قرار دیں"۔ (تمام شیعی آرگن)۔

یعنی ہندوؤں سے اپنی "وفاشعاری" کا صلہ یہ مانگا جاتا ہے کہ وہ مساجد کیسامنے باجہ بجائیں۔ اور گائے کی قربانی کو جرم قرار دیدیں۔ گویا مساجد اور قربانی سے شیعہ حضرات کو کوئی تعلق نہیں! لیکن یہ نہ سمجھئے کہ مساجد اور قربانی کے بعد اگر اسی اصول کے مطابق انہوں نے امام باڑوں کیسامنے باجہ بجانا شروع کردیا۔ اور تعزیہ داری کے جلوسوں کو قانوناً جرم قرار دیدیا تو پھر کیا ہوگا؟ اگر مساجد کیسامنے باجہ بجانا اور گائے کی قربانی کو جرم قرار دیدینا مداخلت فی الدین نہیں سمجھا جائیگا۔ تو امام باڑوں کے سامنے باجہ بجانا اور تعزیہ داری کے جلوسوں کو جرم قرار دینا کس طرح مداخلت فی الدین ہوگا۔ اور اُس وقت آپ ہندوؤں کو کیا کہکر ان درازدستیوں سے روک سکینگے؟ سچ ہے۔ غصے میں انسان اُسی کشتی میں سوراخ کرنے لگ جاتا ہے جس میں خود سوار ہوتا ہے۔

اور سنئے! وہ نزاع جو مسلمانوں کے دو فرقوں کے درمیان ہے۔ ان میں مدد کی درخواست کن سے کیجاتی ہے۔

"ہم غیر مسلم افراد (یعنی ہندوؤں اور انگریزوں) سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ غور کریں کہ ہم خلفائے ثلاثہ کی انسانیت سوز حرکتوں اور جور و استبداد کی داستانوں کو مدح کی صورت میں کیونکر سن سکتے ہیں"۔ (الواعظ)

اس کے برعکس

"چونکہ مسلم لیگ نے تبرّے کی حمایت اور مدح صحابہ کی مخالفت میں کوئی قدم نہیں اٹھایا اسلئے شیعوں کیلئے اس جماعت میں شامل ہونا حرام ہے"۔

(فتویٰ مجتہد العصر و ناصر الملت)

ٹھیک! ہندوؤں اور انگریزوں سے دوستی حلال۔ اور مسلمانوں سے اشتراکِ عمل حرام!

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

اب تبرّیٰ کی شرعی حیثیت ملاحظہ فرمائیے

"جس طرح کلمۂ توحید کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر تبرّیٰ کے کوئی شیعہ نہیں ہو سکتا" (اسد ۱۳ / اپریل)

ہم یہ سطور لکھ رہے ہیں اور ہاتھوں میں قلم کانپ رہا ہے۔ کلیجہ دھک دھک کر رہا ہے۔ سامنے ایک کونے میں "اخوتِ اسلامی" گردن جھکائے خون کے آنسو رو رہی ہے۔ دوسرے گوشے میں "وحدتِ ملی" سر پیٹ رہی ہے۔

قرآنِ کریم نے کبھی کفار کے متعلق فرمایا تھا کہ

بَاسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدًا - ان کی آپس میں دشمنی بہت سخت ہوتی ہے۔

وہ تماشا ہم آج اپنے اندر دیکھ رہے ہیں۔

اے محمد اگر قیامت را برآری سر ز خاک ✤ سر برار و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں

ہم ان حضرات کی خدمت میں اس سے زیادہ اور کیا عرض کریں کہ ہم دنیا کو کافی تماشا دکھا چکے ہیں۔ اب۔ اگر خدا کے لئے نہیں تو اپنے لئے ہی اس کھیل کو ختم کریں۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس کھیل میں تم تباہی اور بربادی کے کس جہنم کے کنارے پہنچ چکے ہو۔

ایکہ نشناسی خفی را از جلی۔ ہشیار باش! ✤ اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ۔ ہشیار باش!!

لیکن ہماری کون سنیگا۔ جس قوم کی اجتماعیت فنا ہو جاتی ہے۔ مرکزیت گم ہو جاتی ہے اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔ ایسی قومیں باہمی سر پھٹول سے تباہ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر ان کے افسانے باقی رہ جاتے ہیں جو آنے والی نسلوں کو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ

دیکھو انہیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو ✤ ان کی سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

حقائق و عبر

(۱) رام راج کی برکتیں

ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلم اقلیت کو جس ستم و استبداد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے وہ محتاج وضاحت نہیں۔ قتل و غارت گری۔ ظلم و چیرہ دستی۔ مذہبی رسومات کی ادائیگی پر پابندیاں۔ شعائر اسلامی کی بے حرمتی۔ یہ ایسے واقعات ہیں جنہیں آپ آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔ پیر پور کمیٹی۔ اور صوبہ بہار کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹیں ہر اس شخص کے لئے جو سینہ میں دل اور دل میں احساس رکھتا ہے۔ دیدۂ عبرت وا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ حتیٰ کہ حادثۂ ٹانڈہ کے متعلق خود مولانا حسین احمد صاحب کی رپورٹ اور اس رپورٹ کا حشر۔ بصیرت و موعظت کی ہزار داستانیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ تمام واقعات ایسے ہیں جن کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جنہیں آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا جا سکتا ہے۔ لیکن

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

بہت سی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ صرف محسوس کی جاتی ہیں۔ یہ چیزیں کسی رپورٹ میں آ سکتی ہیں نہ کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں۔ آپ یو پی۔ سی پی۔ بہار وغیرہ کے علاقہ میں جائیے۔ اگر آپکی وضع قطع مسلمانوں کی سی ہے۔ تو آپ ان علاقوں میں داخل ہوتے ہی محسوس کرینگے کہ آپ کو وہاں کا ہندو ایک عجیب قسم کی ذلت آمیز نگاہ سے گھورتا ہے۔ اسکی ہر نقل و حرکت۔ اسکے برتاؤ۔ اس کے عام سلوک۔ غرضیکہ ہر شے سے مترشح ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو حاکم اور آپ کو محکوم سمجھتا ہے اور حاکم بھی ایسا جس کے دل میں آپ کے خلاف جذبات انتقام ٹھاٹھیں مار رہے ہوں۔ یہ وہ احساس ذلت ہے جسے کوئی صاحب غیرت و حمیت برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس احساس کو بیان کر سکے۔ کانگریسی حکومتیں اور ان کے مسلمان ایجنٹ۔ بار بار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنی شکایات کی فہرست پیش کرو۔ محسوسات کی تو فہرستیں پیش کی جا سکتی ہیں اور پیش کی گئی

ہیں۔ لیکن   کسے بتائے کوئی خونِ آرزو کیا ہے
اُنہیں یہ ضد ہے کہ دیکھیں گے زنگ بو کیا ہے

مسلمان کو ہندوؤں جیسی تنگ نظر قوم کے ہاتھوں کس قسم کی غیر محسوس تکالیف پہنچ سکتی ہیں اور پہنچ رہی ہیں اس کا اندازہ وہ مسلمان کیسے لگا سکتے ہیں جنہیں ہندو اپنے میں سے ظاہر کرتے ہیں۔ وہ ہندو لیڈروں کے حلقہ میں گھرے رہتے ہیں۔ انہی کے مہمان ہوتے ہیں۔ ہندو ان کے جلوس نکالتے ہیں۔ ان کا "سواگت" کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس ظاہرداری کی عزّت و توقیر کے ماحول میں رہتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ہندو تو بڑا کشادہ ظرف ہے۔ اس میں بڑی رواداری ہے۔ بڑا حُسن اخلاق ہے۔ یہ مسلمانوں کو کیسے تنگ کر سکتا ہے مسلمان خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

تو اے کبوترِ "بامِ حرم" چہ می دانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را

لیکن ہمیں ہندوؤں کی ان چیرہ دستیوں کے خلاف مطلق شکایت نہیں۔ شکایت وہاں ہوتی ہے جہاں کچھ توقع ہو۔ اور

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ   کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

ہندوؤں کے مذہب میں (جیسا کچھ بھی وہ ہے) ملیچھوں کے ساتھ جس قسم کے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کی رُو سے تو موجودہ مظالم کچھ شے ہی نہیں۔ پھر انہیں بچپن ہی سے مسلمانوں سے جس قدر نفرت دلائی جاتی ہے اس کے پیش نظر یہ تہتک کا سلوک بھی کوئی اچنبہ نہیں۔ ہندوؤں سے ہمیں کیا گلہ؟ گلہ تو اُن مسلمانوں سے ہے جو ہندو کی حکومت کے قیام میں اُن کے ممد و معاون بنے ہوئے ہیں۔ اور ہر معاملہ میں اُن کی مدافعت میں سینہ سپر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان حضرات کے ذمہ کام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع نہ ہونے دیں۔ ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمان کہیں دس فیصدی ہیں کہیں سات۔ یہ "بہی خواہانِ ملت" قوم کا درد سینہ میں لئے ان مسلمانوں میں جا کر

رہتے سہتے ہیں اور ہمیشہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہتے ہیں۔ کہیں زمیندار اور کسان کا سوال پیدا کر دیتے ہیں کہیں سرمایہ دار اور مزدور کا۔ کہیں کسی جمعیت قریش کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں۔ کہیں کوئی مومن کانفرنس منعقد کرادی جاتی ہے۔ غرضیکہ سیاسی۔ مذہبی۔ معاشی۔ معاشرتی۔ طبقہ داری سوالات اُٹھا کر مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کو بھی الگ الگ ٹولیوں میں تقسیم کرادیا جاتا ہے۔ وہ جب اس طرح باہمی تفریق سے ہر جگہ پٹتے ہیں تو ان تمام باتوں کا الزام جھٹ سے لیگ کے سر عائد کر دیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کانگریس کی شمولیت سے روکتی ہے جس کی وجہ سے ایسے فسادات رونما ہوتے ہیں۔

لیکن اس آگ اور خون کی بھیانک ہولی کے باوجود ہم مایوس نہیں ہیں بلکہ مسلمان کے حق میں اسے عبرت کا کوڑا سمجھتے ہیں۔ یہی وہ کچوکے ہیں جن سے اب آہستہ آہستہ اس بات کی سمجھ آرہی ہے کہ وہ کیوں تباہ حال ہے۔ اس کے اعمال کیوں بے نتیجہ ہو رہے ہیں۔ اس کا خدا اس سے کیوں روٹھ رہا ہے۔ وہ اب ان چیزوں پر غور کرنے لگ گیا ہے اور اس گم گشتہ کڑی کی تلاش میں ہے جس کے کھو جانے سے اس کی تمام زنجیریں گسستہ اور منتشر ہو رہی ہے۔ یہی تازیانے ہیں جو مسلمان کے دل میں پھر سے احساس مرکزیت پیدا کر دینگے اور اس کے بعد یہ کروٹ لیگا۔

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

---

(۲) پاکستان کیخلاف

کبھی یہ اصول تھا کہ جس چیز کی مخالفت ہندوں کیطرف سے ہو وہ یقیناً مسلمانوں کے حق میں مفید ہوگی۔ لیکن اس اصول میں اب ذرا سی اصطلاحی تبدیلی ہوگئی ہے۔ اب یوں سمجھئے کہ جس نظریہ کی مخالفت مسلم قومیت پرست حضرات کی طرف سے ہو۔ وہ ملتِ اسلامیہ کیلئے ضرور نفع رساں ہوگا۔ ان اصولوں کے ماتحت ہندوستان کی تقسیم کی تحریک (جسے عرفِ عامہ میں تحریکِ پاکستان کہا جاتا ہے) کے مفید ترین ہونے میں کیا کلام ہے

جس کی مخالفت ہندوؤں کی طرف سے بھی ہو رہی ہے اور مسلمان قومیت پرست حضرات کی طرف سے بھی۔ اس تحریک کے خلاف اس وقت تک جتنے اعتراضات نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ (اور نفسیاتی نقطۂ خیال سے یقیناً سب سے زیادہ فریب دہ) وہ ہیں جو کانگریس کے شعبۂ اسلامیات کے آرگن "ہندوستان" کے ۹ر اپریل کے پرچہ میں شائع ہوئے ہیں۔ دیکھئے ان اعتراضات میں کسقدر گہری سازش سے کام لیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"اس تحریک کے حامی باقی ہندوستان کے مسلمانوں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے تو ایک گفتگو میں یہاں تک کہدیا کہ اس علاقہ کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جو مسلمان بستے ہیں ان کے صحیح معنوں میں مسلمان ہونے میں بھی شک ہے۔ خاصکر بنگال کے مسلمانوں کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے" ص۳

یعنی سب سے پہلے۔ پاکستان اور دیگر ہندوستان کے مسلمانوں میں بدظنی اور عدم اعتماد پیدا کرنے کے لئے ایک چنگاری پھینک دی۔ لیکن اس فتنہ پردازی کا نتیجہ کیا؟ ہر وہ شخص جو اسلام کے عالمگیر رشتۂ اخوت سے واقف ہے وہ کبھی اس فریب میں نہیں آسکتا کہ پاکستان کے مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہوگا۔

پھر ہم مدیر "ہندوستان" سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جس بات کو انہوں نے ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیا اس کی کوئی سند بھی ان کے پاس موجود ہے؟ طلوع اسلام کے صفحات اس استفسار کے جواب کے لئے کھلے ہیں۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہیں تو اس چیز کا ثبوت پیش کریں۔

اس کے بعد سنئے :۔

"ان سب تعصبوں سے بڑا ایک تعصب اسوقت بھی موجود ہے۔ وہ پنجابی مسلمان اور غیر پنجابی مسلمان کا تعصب ہے۔ پنجابی مسلمان ہندوستانی مسلمانوں کو جتنا ذلیل سمجھتے ہیں اس کا اندازہ غالباً مسلم لیگ کے کارکنوں کو نہیں ہے۔ ورنہ

وہ ایسی تجویز ہرگز پیش نہ کرتے۔" ص۳

لیجئے یہ دوسری چنگاری ہے۔

اور آگے بڑھئے۔ فرماتے ہیں کہ اگر اس تقسیم سے ہندو مسلم جھگڑا ختم بھی ہو جائے تو۔

"کیا اس کے بعد لڑائی بھڑائی کے تمام اسباب دور ہو جائینگے۔ کیا ہندو مسلم تعصب کے علاوہ اور کوئی ایسا تعصب نہیں ہے جو آگے چل کر فساد کی جڑ بن جائے؟ اسوقت بھی ایسے بہت سے تعصب موجود ہیں۔ اگر کچھ لوگوں کو شک ہو تو وہ مدح صحابہ اور تبرا کی تحریک دیکھ لیں۔ اس میں فساد کا اتنا زہریلا بیج چھپا ہے۔ جو شاید ہندو مسلم فساد میں بھی نہیں! اسی طرح وہابی۔ غیر وہابی۔ اور قادیانی غیر قادیانی کے جھگڑوں میں بھی فساد کرنے کی طاقت کسی صورت میں بھی ہندو مسلم تعصب سے کم نہیں"۔ ص۳

دیکھا آپنے! "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" (Divide and Rule) کے اصول کو کس خوبصورت اور معصومانہ انداز سے بروئے کار لایا گیا ہے لیکن ہمارے اس فریب خوردہ بھائی کو معلوم نہیں کہ اب وہ دن گئے جب اس قسم کے حربے کارگر ہو جایا کرتے تھے۔ مسلمان اب آپ حضرات کی کرم گستری کے صدقے کافی بیدار ہو چکا ہے۔

برو ایں دام را پیش دگرنہ

انہیں کون بتلائے کہ یہ تمام جھگڑے صرف اسوقت تک ہیں جبتک مسلمانوں کا نظام اسلامی نہیں ہے جب ان کی سوسائٹی کا نظام اسلامی خطوط پر متشکل ہوگا تو کسی جھگڑے کی گنجائش باقی نہیں رہیگی۔ نہ وہاں کوئی "پنتھ" ہوگا نہ مدح صحابہ اور تبرا کی تحریک پیدا کی جائیگی۔ پاکستان یا تحریک تقسیم محض جغرافیائی حدود بندی کی تحریک نہیں۔ بلکہ سوسائٹی کے پورے کے پورے نظام کی تشکیل جدید کی تحریک ہے۔ جس کے بدلنے سے سب کچھ بدل جائے گا۔

نوعِ دیگر ہیں جہاں دیگر شود ❊ ایں زمین و آسماں دیگر شود

اس ضمن میں ایک اعتراض اور بھی ہے جسے عام طور پر نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ نظریہ دُون ہمتی اور کوتاہ نگہی کا آئینہ دار ہے۔ بزدلانہ ہے شکست خوردگی کا ثبوت ہے مسلمان کا مطمحِ نگاہ تو تمام ہندوستان پر حکومت ہونا چاہیئے۔ یوں سمٹ کر ایک کونے میں دب کر بیٹھ جانا کونسی جرأت کا کام ہے۔

چونکہ اس اعتراض میں ایک خاص اسلامی ولولہ نظر آتا ہے (اور ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ واقعی اسلامی جذبہ کے ماتحت یہ اعتراض کرتے ہوں) اس لئے اس پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ مسلمان کا نصب العین تمام ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام ہونا چاہیئے۔ لیکن سوال اسوقت صرف تخیلاتی نصب العین کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ عملی طور پر کیا صورت اختیار کی جائے جس سے ہماری حالت آج کی حالت سے بہتر ہو جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام ہندوستان میں ریت کے منتشر ذرّوں کی سی زندگی بسر کرنے کے مقابلے میں (کہ جنہیں ہوا کا ہر تیز جھونکا جدھر جی چاہے اڑا کر لے جائے) یہ یقیناً بہتر ہے کہ یہی ذرّے سمٹ کر کسی ایک گوشے میں چٹان بن جائیں تاکہ حوادثِ زمانہ کے تھپیڑوں کا مقابلہ کر سکیں۔ سارے ہندوستان میں ذلت اور محکومی کی زندگی بسر کرنے کے مقابلے میں ایک خطّے میں عزّت اور وقار کی زندگی کا حصول کونسا خسارے کا سودا ہے؟ حیرت ہے کہ جو لوگ آج یہ دعوے کرتے ہیں کہ مسلمان کا نصب العین ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام ہونا چاہیئے۔ ان میں سے اکثر کا عمل یہ ہے کہ وہ تمام ہندوستان میں ہندو حکومت کے قیام کے لئے کوشاں ہیں۔ غور فرمائیے کہ وہ لوگ جو ہندوستان میں کسی خالص اسلامی جماعت کی تشکیل و قیام کو بدترین لعنت قرار دیتے ہیں۔ اور متحدہ قومیت کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ وہی آج۔ نہایت مشفقانہ انداز میں مسلمانوں کو بتا رہے ہیں کہ انکا نصب العین تمام ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ لوگ پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی اجتماعیت اور مرکزیت کی مخالفت میں لگے رہے ہیں (اور آج بھی ہیں) اور اب اگر مسلمان ایک خطۂ ہند میں عزت کی زندگی بسر کرنے کی تجویز کر رہے ہیں تو یہ لوگ اس جذبہ کو دُون ہمتی اور بزدلی

پر محمول کر کے مسلمانوں کو اس کے خلاف اُکسا رہے ہیں

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے؟

علاوہ بریں ان حضرات سے پوچھئے کہ کیا خود تمہارا یہ نظریہ کہ مسلمان کا مطمحِ نگاہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام ہونا چاہیئے۔ دون ہمتی اور تنگ نظری پر محمول نہیں؟ مسلمان کا مطمحِ نگاہ تو تمام روئے زمین پر اسلامی حکومت کا قیام ہونا چاہیئے۔ آپ اُسے ہندوستان کے خطہ میں مقیّد کیوں کرتے ہیں؟

جو جواب آپ کا اس اعتراض کے متعلق ہوگا۔ وہی جواب ہمارا آپ کے اعتراض کے متعلق ہے۔ یاد رکھئے! ملتِ اسلامیہ کے مرکزِ اوّلین۔ نبی اکرمؐ کا اسوۂ حسنہ اسی مسلک کی طرف دلالت کرتا ہے کہ سب سے پہلا کام خمیر تیار کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس خمیر کو آپ جہاں بھی ڈالتے جائینگے۔ اُس آٹے میں خود بخود خمیر پیدا ہوتا جائے گا۔ پاکستان یا تحریکِ تقسیم آغازِ کار ہے۔ منتہیٰ نہیں۔ منتہیٰ تو یہ ہے کہ

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث ✣ مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

(۴) آزاد ہندوستان کا مذہب

ہم ان صفحات میں متعدد مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمان کی جداگانہ ہستی کو فنا کر دینے کے لئے ہندوؤں کے نزدیک صرف ایک طریقِ عمل نتیجہ خیز ہے۔ اور وہ یہ کہ "متحدہ قومیت" کے نقاب میں مذہب اسلام کے تفوق اور برتری کا جذبہ مٹا دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ذرائع مختلف استعمال کئے جا رہے ہیں لیکن مقصد ان تمام کا ایک ہے۔ کہیں مہاتما گاندھی ہندو مسلم تہذیبوں کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کی فکر میں ہیں۔ کہیں پنڈت نہرو "منظم مذہب" کو روئے زمین سے مٹا دینے کی تدبیر میں۔ کہیں ڈاکٹر بھگوان داس ایک جدید "کتاب مقدس" کی تصنیف میں مصروفِ عمل ہیں اور کہیں مسٹر ستیہ مورتی اسمبلی میں ہندو مسلم امتیاز مٹانے کی تجویز

بیش کر رہے ہیں۔ غرضیکہ مسلمان کے مذہب کے درد نے ہر ہندو (اور مسلمان قومیت پرست حضرات) پر نیند حرام کر رکھی ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور دلچسپ کڑی ہمارے سامنے آئی ہے۔ پچھلے دنوں دیوان لال چند ناول رائے صاحب نے ریڈیو پر ایک تقریر نشر فرمائی جس کا عنوان تھا۔ " صوفی کا مذہب " اس کے دوران میں آپ نے کہا۔

" ایک سچا صوفی اپنے آپ کو نہ ہندو سمجھتا ہے نہ مسلمان "

یہ تو ٹھہری تصوف کی تعریف۔ اب دیکھئے اس تصوف سے کام کیا نکالا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

" تصوّف ہی وہ ذریعہ ہے جس کی رُو سے امید کی جاسکتی ہے کہ تمام اہل ہند قومیتِ واحدہ کے رشتہ میں پروئے جائیں گے۔ اور یہی چیز ہندوستان کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے صحیح حل کی طرف رہنمائی کرسکتی ہے " (نیشنل کال - ۲۶ ۳/۹) -

ملاحظہ فرمایا آپنے کہ " متحدہ قومیت " کی تشکیل کس وقت ہوتی ہے؟ اُس وقت جب نہ ہندو اپنے آپ کو ہندو سمجھے۔ نہ مسلمان مسلمان۔

یہی وجہ ہے کہ واردھا سکیم کے نصاب میں حضرات صوفیاءُ کے حالاتِ زندگی خاص طور پر رکھے گئے ہیں۔ ہاں! اور یہ ہے وہ براڈکاسٹنگ کا محکمہ جو ہمیں بتاتا رہتا ہے کہ " سیاسی معاملات " پر کوئی تقریر نشر نہیں ہوسکتی۔ یہ سب پابندیاں مسلمانوں کے لئے ہیں۔ آج انگریز کی نگاہ میں ہندو کی کوئی بات خلاف دستور نہیں۔ جس طرح ہٹلر کی کوئی بات چیمبرلین کے نزدیک خلاف قاعدہ نہیں ہے۔ سچ ہے۔ ع عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

---

(۵) دعوائے آزادی

مسلم قومیت پرست حضرات عوام کو ہمیشہ یہ کہکر دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ

(۱) کانگریس ایک جمہوری ادارہ ہے۔ اور (۲) اس کا نصب العین ہندوستان سے

انگریز کو باہر نکالنا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس میں بلا شرط شامل ہو جانا چاہیئے۔

کانگریس کی "جمہوریت" کی نقاب کشائی اپریل کے پرچہ میں "دیو استبداد" کے عنوان کے ماتحت ہو چکی ہے۔ اور اس کے دعوئ آزادی کے متعلق مارچ کے پرچہ میں بہ عنوان "عرضداشت بخدمت علمائے کرام" ضمناً کچھ عرض کیا گیا تھا۔ لیکن اس دعوے کی حقیقت اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جو مہاتما گاندھی نے "نیو یارک ٹائمز" کے نامہ نگار خصوصی کے سوالات کے جواب میں دیا ہے سنئے۔

سوال۔ "اگر حکومتِ برطانیہ کو جنگِ یورپ میں شریک ہونا پڑا تو اس صورت میں آپ کانگریس کو کس طرزِ عمل کا مشورہ دینگے؟"۔

جواب (مہاتما گاندھی) "اس سوال کا جواب دینا سر دست مشکل ہے"۔

سوال۔ "کیا آپ ہندوستان کی آزادی دولتِ متحدہ برطانیہ کے زیر سایہ چاہتے ہیں۔ یا اس سے باہر؟"

جواب (مہاتما جی)۔ "یہ سوال کچھ بہت مشکل ہے۔ میں خود بھی ابھی فیصلہ نہیں کر سکا۔ (کہ یہ آزادی زیر سایۂ برطانیہ ہو گی یا مکمل آزادی)"۔

سوال "لیکن کیا یہ سوالات ایسے نہیں جن کا تعلق مسائلِ حاضرہ کے اصلِ اصول سے ہے؟"

جواب (مہاتما جی)۔ "سمجھ دار صحیفہ نگار کسی چیز کے اصل اصول تک نہیں پہنچا کرتے"۔ (اسٹیٹسمین - $\frac{3}{39}$ ۲۴)

کیا یہی ہے دعوائے آزادی؟

اور یہ اُن مہاتما جی کے جوابات ہیں جو کانگریس میں ڈکٹیٹر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ سیاست میں صاف صاف بات نہیں کہنی چاہیئے۔ لیکن یہ بات تو اُن مہاتما جی کی طرف سے ہو رہی تھی جو ہر وقت سچائی اور اہمسا (Truth and Non-violance) کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔

یہ سب کچھ ہمیں تو نظر آتا ہے۔ لیکن نہ معلوم ہمارے قومیت پرست حضرات کو کیوں نظر نہیں آتا؟

الف لیلے میں ایک "سلیمانی ٹوپی" کا ذکر آتا ہے جس کا اوڑھنے والا دوسروں کو دیکھ سکتا ہے لیکن کوئی اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہاتما جی کے پاس کوئی ایسی ہی ٹوپی ہے جسے وہ اُس وقت اوڑھ لیتے ہیں جب وہ مسلم قومیت پرست حضرات کے سامنے جاتے ہیں۔

اس ٹوپی کے اتارنے کا ایک ہی منتر ہے۔ اور اُسے کہتے ہیں "جرأت ایمانی"! وَذَالِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ۔

(۶) فوجی ملازمت اور کانگریس

ہم طلوع اسلام میں ایک مبسوط مضمون شائع کر چکے ہیں جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ لیگ پر یہ الزام محض پراپیگنڈا ہے کہ اس نے فوجی بل کی حمایت سے سرکار کی کاسہ لیسی کا ثبوت دیا تھا۔ اور یہ ثابت کیا گیا تھا کہ بڑے بڑے کانگریسی لیڈروں کی یہ دلی تمنا تھی کہ فوج کی ملازمت میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے بھرتی کی جائے۔ اسی ضمن میں یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جائیگی کہ گذشتہ مارچ میں مدراس اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں مسٹر راجہ گوپال آچاریہ (وزیر اعظم کانگریسی) نے کہا کہ

"حکومت مدراس نے متعدد مرتبہ حکومت ہند کی توجہ اس طرف منعطف کرائی ہے۔ کہ "مدراس رجمنٹ" کو توڑا نہ جائے۔ اور اس صوبہ میں فوجی بھرتی کی از سرنو تجدید کی جائے لیکن اس بارے میں ہمیں ناکامی ہوئی ہے۔" (اسوسی ایٹڈ پریس۔ مورخہ ۱۶ ۳/۳۹)

فرمایئے! کیا اب بھی کسی دلیل کی ضرورت باقی ہے کہ کانگریس فوجی بھرتی کی تائید میں سب سے پیش پیش ہے۔

(۷) جمعیۃ العلماء کیلئے تازہ سارٹیفکیٹ

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی جب کراچی کی بندرگاہ پر جہاز سے فروکش ہوئے تو خاکساروں کی جماعت نے انکی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا جس میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ اس جماعت کو

ہندوستان کے مولوی کافر کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ :-

"آجکل کے مولوی کا یہ فرض ہوگیا ہے کہ بیدھڑک کفر کا فتویٰ صادر کردے آجکل کے نابکار مولوی نے کس ایسے شخص پر فتویٰ نہیں لگایا جس نے قوم کی صحیح طور پر خدمت کی ہو۔ اسنے مجھ پر بھی فتویٰ لگایا ہے۔ تم کو کسی فتوے کا فکر نہیں کرنا چاہئے بلکہ بیدھڑک کام کرتے جاؤ اور کفر کے فتوں کی بالکل پرواہ نہ کرو ...... میں اسبات کو ماننے کیلئے تیار نہیں کہ آپکو عالم کافر کہتے ہیں۔ بلکہ یوں کہئے کہ چند خود پرست مولوی کہتے ہونگے ..... میں ادارہ علیہ میں جاؤنگا اور علامہ (مشرقی) سے خود ملونگا۔ علامہ صاحب میرے دوست ہیں۔ اور بہت بڑے قابل دماغ۔ ذکی اور عالم ہیں۔" (الاصلاح۔ اچھرہ۔ مورخہ ۲۴ ۳/۳۹) ٭

لیکن کیا آپکو معلوم ہے کہ خاکساروں کی جماعت کو کس نے کافر بنایا تھا۔ اور کون سے مولوی صاحبان تھے جنہوں نے انہیں ملحد و زندیق قرار دیا تھا۔ معلوم نہ ہو تو جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی (مارچ ۱۹۳۹ء) کی روئداد ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں آپ کو یہ ریزولیوشن ملیگا۔

"جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس اپنی اس تجویز کا اعادہ کرتا ہے جو اس نے ۲۲ء میں جماعت خاکساران کے امیر اعظم مسٹر عنایت اللہ خاں مشرقی کی کتاب تذکرہ کے متعلق پاس کی تھی کہ اس میں الحاد و زندقہ کی تعلیم اور اسلامی اصول و عقائد کی صریح مخالفت موجود ہے۔ تذکرہ کے علاوہ انکی مزید تالیفات نے اس امر کو واضح اور روشن کردیا ہے کہ وہ اپنے انہی ملحدانہ عقائد پر قائم بلکہ مُصر ہیں۔

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس انکی تحریک بیلچہ برداری کو اگرچہ بظاہر وہ عسکریت پر مبنی معلوم ہوتی ہے سخت خطرے کی نظر سے دیکھتا ہے اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کا ذریعہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی تباہی کیلئے خاکساری فتنہ کو قادیانی فتنہ سے کم نہیں سمجھتا ....." (انصاری مئو ۳/۳۹ ص۱۱)

ہم منتظر ہیں کہ جمعیت علماء ہند کا اب مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے؟ وہی مولانا سندھی جنکی زیر صدارت جمعیت علماء کا اسپیشل سشن مرادآباد میں منعقد ہو رہا ہے۔

خدائی پادشاہت

(بسلسلہ "اجتماعی زندگی" "اسلامی نظام" و "مرکزیت")

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی۔ اے

یوں تو دنیا میں ہر شکار میں ایک لطف ہے۔ لیکن انسان سب سے زیادہ لذت اس وقت محسوس کرتا ہے جب اس کا شکار خود دوسرا انسان ہو۔ نوع انسانی کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ وہ اسی سلسلۂ صید و صیاد کی ایک مسلسل داستان ہے۔ تہذیب و تمدن، معاشرت و عمرانیت کے بدلنے سے محض جال کی نوعتیں بدلتی رہی ہیں لیکن جذبہ ہمیشہ وہی کارفرما رہا ہے اصطلاحات میں تغیر و تبدل ضرور ہوتا رہا ہے لیکن مفہوم ہر جگہ وہی رہا ہے

انسان اپنے عہد طفولیت میں انفرادیت اور عدم علائق کی زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ ایک ایسی "جنت" میں رہتا تھا جہاں ع

کسے را با کسے کارے نباشد

لیکن یہ زندگی بچپن کی زندگی تھی۔ اس کی فطرت کسی اور اسلوب حیات کی متقاضی تھی ارتقائی منازل میں انسان تمام مخلوق سے آگے تھا۔ اس کی تخلیق فی احسن تقویم (بہترین ہیئت پر) ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی دیگر مخلوق کے مقابلہ میں جسے اس نے اپنا تابع فرمان بنانا تھا۔ یہ بہت کمزور اور نہتہ پیدا کیا گیا تھا تغلّب و تسلّط تو ایک طرف۔ اسے تو اپنی مدافعت اور حفاظت کے لئے بھی کوئی سامان نہ دیا گیا تھا۔ اس لئے اس کی فطرت میں داخل تھا کہ یہ اجتماعیت یا مدنیت کی زندگی لبسر کرے۔ ایک جماعت بن کر رہے۔ (کان الناس اُمّۃً وَّاحِدَۃً) اس لئے جب یہ بچپن کی زندگی سے ذرا آگے بڑھا تو اس کے احساس اجتماعیت Herd Instinct میں بیداری پیدا ہوئی۔ اور اس نے قبائلی زندگی اختیار کی۔ اس طرز زندگی کا تقاضا تھا کہ آپس میں کام بانٹ لئے جائیں۔ مختلف لوگ مختلف ضروریات زندگی اور داعیات

حیانت کے ذمہ دار ہوں۔ یہ تقسیم عمل تھی جس سے انسانی گروہ سازی کی ابتدا ہوئی۔ بظاہر ہے کہ اس "سوسائٹی" میں فرائضِ مفوضہ یکساں نہیں ہو سکتے تھے۔ کچھ فروتر تھے کچھ بالاتر۔ اگر ایک گروہ کے حصہ میں قبیلہ کے لڑائی جھگڑے نپٹانے کا کام آیا ہوگا تو دوسرے کی ڈیوٹی ڈھور ڈنگر چرانے پر لگی ہوگی جن لوگوں کے حصہ میں بالائی سطح کے کام آئے اُنہوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ چوپاؤں کی سیاقت میں وہ ذہنی تعیش کہاں جو خود اپنے جیسے انسانوں کی سیادت میں ہے۔ جانوروں کے شکار میں وہ لذت کہاں جو اپنے ہمجنسوں کے خون میں ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسی تدابیر اختیار کرنا شروع کیں کہ ہاتھ آئی ہوئی طاقت کبھی چھننے نہ پائے یہیں سے **حکومت** کی بنیاد پڑی یعنے ایک انسان کا دوسرے انسان پر غلبہ و اختیار۔ اربابِ اقتدار نے اپنی سطوت و تغلب کو قائم رکھنے کے لیے مختلف قوتوں کو اپنے اندر مرکوز کرنا شروع کیا تاکہ ان کے خوف اور دبدبے سے دوسرے انسانوں کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنائے رکھیں۔ حصول قوت اور اس کے استحکام و استبقاء کے اسی اہتمام و انتظام کا نام **نظامِ سلطنت** قرار پایا۔ اور جس کے ہاتھ میں قوت و اختیار ہوا اُسکی مرضی اور منشاء کا نام **قانون** رکھا گیا۔ ابتدا تو ہوئی تھی اس ضرورت کے ماتحت کہ انسان اپنی حیات اجتماعیہ کا نظام تقسیمِ عمل سے صحیح طور پر قائم کر سکے۔ لیکن یہی چیز اس کے جذبۂ حکومت کی تسکین کا سامان بن کر رہ گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں یہ اقتدار و اختیار ایک **جماعت** کے ہاتھ میں تھا اور اس جماعت میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا۔ پھر اس جماعت میں کوئی فرد زیادہ طاقت ور نکل آیا تو اس نے یہ تمام اختیارات اپنی ذات میں مرکوز کر لیے اور یوں دنیا میں **شخصی حکومت** کی بنا پڑی جو ذاتی املاک اور جائداد کی طرح اس کی اولاد میں متوارث آتی رہی۔ انسانی فطرت نے اس طرزِ حکومت کے خلاف بغاوت کی تو بطور انتقام یہ اختیارات پھر فرد سے جماعت کے ہاتھ میں چلے گئے۔ جسے **جمہوری حکومت** کہا گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے خلاف بھی بغاوت شروع ہوگئی تو پھر وہی شخصی حکومت۔ ڈکٹیٹر شپ یا آمریت کی شکل میں رُونما ہوگئی۔ لیکن ابتدائی جماعتی حکومت تھی تو۔ اور اس کے بعد شخصی حکومت تھی تو جمہوری حکومت کا انداز تھا تو۔ اور اس کے بعد آمریت کا دور شروع ہوا تو۔ فرق صرف ظواہر و رسوم میں تھا۔ روح ہر جگہ وہی کارفرما تھی۔ یعنی ایک انسان کا دوسرے انسان پر یا انسانوں کے ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر حکومت

کرنا۔ عصر حاضرہ ۔مغرب کی جمہوریت کو بہترین طرزِ حکومت قرار دیتا ہے اور بڑے فخر و ناز سے دعوے کرتا ہے کہ اس نے انسانیت کو ازمنۂ متوسط کے شخصی استبداد سے نجات دلا کر انسانی آزادی کی فضا میں کھلا چھوڑ دیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں۔ فرق صرف قالب میں ہے۔ روح وُہی ہے ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جسکے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

جمہوریت ہو یا آمریت۔ زمانۂ قدیم میں ہو یا عصرِ حاضرہ میں۔ نظامِ حکومت کی بنا اس پر قائم ہے کہ صاحبِ اقتدار کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی منشا کے مطابق قانون بنائے اور دوسروں سے ان قوانین کی اطاعت کرائے۔ جمہوریت میں اکیاون (۵۱) کی اکثریت کو حق حاصل ہے کہ وہ اُنچاس (۴۹) کی اقلیت سے اپنا فیصلہ بہ جبر منوائے۔ مثلاً اگر کسی اسمبلی یا کیبنٹ میں یہ سوال پیش ہو کہ خدا ہے یا نہیں۔ اور اکیاون آراء خدا کی ہستی کے خلاف ہوں تو اُنچاس آراء والی جماعت کو ماننا پڑیگا کہ واقعی (نعوذ باللہ) خدا نہیں ہے۔ اور یہی فیصلہ پھر ملک کا قانون بن جائے گا۔ جسے "انتظام" یعنے قوت کے دباؤ سے منوایا جائے گا اور اس فیصلہ کے خلاف آواز اُٹھانے والے کو حکومت کا باغی قرار دیا جائے گا۔ یہی اصول آمریت کے اندر جلوہ پیرا ہے۔ جمہوریت میں جو شخص اراکین کی اکثریت اپنے ساتھ ملا لے وہی صاحبِ اختیار ہو جاتا ہے۔ البتہ اس میں ہوتا یہ ہے کہ ایک ایک معاملہ الگ الگ پیش کیا جاتا ہے اور اس میں رائے شماری کی رسم پوری کر لی جاتی ہے۔ اور آمریت میں ایک ہی مرتبہ ان رسمی تکلفات کو طے کر لیا جاتا ہے۔ قوم ایک ہی دفعہ فیصلہ کر کے (بجبر یا برضا و رغبت) ایک شخص کے ہاتھ میں زمامِ اختیار دے دیتی ہے۔ اور پھر اس شخص کے فیصلے قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ قوانین (جمہوریت کے ہوں یا آمریت کے) آخری اور اٹل ہوتے ہیں۔ اور ان کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی۔

لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں جمہوریت ہو یا آمریت۔ جماعتی حکومت ہو یا شخصی۔ فطرت انسانی نے ہر انداز حکومت سے انکار کیا ہے۔ اس لئے کہ ہر طرز حکومت کی بنیاد اس مفروضہ پر رکھی جاتی ہے کہ بعض انسانوں کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔ حالانکہ یہ بنیاد

ہی غلط ہے اور چونکہ خلاف فطرت[1] ہے اس لئے انسانی فطرت غیر محسوس اور غیر شعوری طور پر اس کے خلاف اپنے سینہ میں بغاوت کے جذبات موجود پاتی ہے۔ لیکن چونکہ ایک عرصہ کی "خوئے غلامی" سے اس کی قوتِ تمیز دب چکی ہوتی ہے۔ اس لئے اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کونسی بنیادی خرابی ہے جس کی وجہ سے اسکی فطرتِ صالحہ اس طرزِ زندگی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس اضطرابی کیفیت میں وہ کرتا یہ ہے کہ اس نظام کو اُلٹ دیتا ہے جو اس کے سامنے موجود ہوتا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسرا نظام قائم کرتا ہے جس کے متعلق سمجھ لیتا ہے کہ اس میں اُسے اطمینان و سکون حاصل ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ دوسرا نظام بھی انہی غلط بنیادوں پر قائم ہوتا ہے جن پر پہلا نظام قائم تھا۔ لہٰذا انسان کی کیفیت ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ ع

رست از یک بند تا افتاد در بندِ دگر

نتیجہ اس کا یہ ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ کے اوراق اُلٹتے جائیے (چند صفحات کے سوا) ہر صفحہ پر لکھا ملے گا کہ ع

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی!

انسان کی عام حالت اس مریض کی سی رہی ہے جسے یہ تو معلوم نہ ہو کہ مجھے مرض کیا ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہو کہ میں تن درست نہیں ہوں پھر وہ ہر نئے علاج کے وقت بلا اختیار پکار اُٹھے کہ بس۔ یہ ہے تریاق! لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے مزعومہ تریاق کے شیشے پھوڑ ڈالے اور کسی نئے تریاق کی جستجو میں چل نکلے۔ اور اس کی تمام عمر انہی تجربوں میں بسر ہو جائے

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ ۲/۲۰

جب ذرا بجلی چمکی تو دو قدم چل پڑے۔ اور جب پھر اندھیرا ہو گیا تو ٹھٹک کے رہ گئے

انسانیت اسی تگ و تاز، اسی اضطراب و انتشار میں اُلجھتی۔ تڑپتی۔ مرغِ بسمل کی طرح یوں پھڑ پھڑاتی چلی آ رہی تھی کہ ع

ہر قدم پر تھا گماں۔ یاں رہ گئی۔ واں رہ گئی

---

[1] انسان تو ایک طرف۔ حیوانات کی یہ حالت ہے کہ کوئی حیوان اپنے کسی ہم جنس کی حکومت قبول نہیں کرتا۔ اس کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ منہ

کہ آج سے قریب چودہ سو برس پیشتر خطیرۂ قدس کی ایک دل کش آواز اس کے کانوں میں آئی کہ آؤ تمہیں بتایا جائے کہ تمہارے دُکھ کا درماں کیا ہے، اس مرض کی دوا کونسی ہے؟ تم نے کہاں غلطی کی ہے اور اس کا ازالہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس آواز نے بتایا کہ تمہاری بنیادی غلطی یہ ہے کہ تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ایک انسان کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسان پر حکومت کرے۔ یہ غلط ہے اور خلاف فطرت انسانی۔ یاد رکھو

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ - ١٢/٤٠

حکومت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے جو تمام انسانوں سے بلند و بالاتر ہستی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اس کے سوا کسی کو حق حاصل نہیں کہ انسان کو اپنا محکوم بنائے۔ تمام انسان ایک سطح پر ہیں۔ برابر ہیں اس لئے کوئی کسی دوسرے پر بالادست نہیں ہوسکتا۔ بالادست صرف وہ ہستی ہوسکتی ہے جو فی الواقعہ انسانوں سے بالاتر ہو۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ حتیٰ کہ وہ برگزیدہ ہستیاں جو تمام نوع انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے انتخاب کرکے بھیجی جاتی رہی ہیں انہیں بھی یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں کو اپنا غلام بنالیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ - ٣/٧٩

کسی انسان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اُسے کتاب و حکم و نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع کردے کہ تم اللہ سے ورے ہی میرے غلام بن جاؤ۔ (بلکہ وہ یہی کہے گا کہ) تم سب اللہ (کے غلام) بن جاؤ۔ کہ تم (قوانین الٰہی کی) کتاب خود بھی پڑھتے ہو اور دوسروں کو بھی پڑھاتے ہو۔

یہ قوانین الٰہی جن کی اتباع سے انسانوں کو ہر ایک کی غلامی کا طوق اُتار کر فقط ایک اللہ کا غلام بننا تھا، اس کتاب مقدس۔ اس صحیفۂ آسمانی میں منضبط ہوتے جو ان حضرات انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتا۔

انبیاء کرام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوْا فِيهِ ۲/۲۱۳

اور (اللہ نے) ان پر کتاب نازل کی حق کے ساتھ۔ تاکہ وہ ان امور میں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہوں حکم بنیں (فیصلے کریں)۔

جو ان قوانین الہیہ کے مطابق حکومت نہ کرے۔ وہ خدا کا عملاً منکر ہے۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنیوالا ہے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (هُمُ الْكٰفِرُوْنَ) ۵/۴۵ ۵/۴۴

اور جو قوانین خداوندی کے مطابق حکومت نہ کرے گا (فیصلے نہ کرے گا) تو ظالمین میں سے ہوگا۔ کافرین میں سے ہوگا۔

یہ قوانین خداوندی مختلف زمانوں میں مختلف اقوام عالم کو وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔ لیکن چونکہ وہ یا تو حوادثِ ارضی و سماوی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یا ان میں انسانی ہاتھوں نے ردّ و بدل کر ڈالا۔ اس لئے ان کا آخری اور مکمل ایڈیشن قرآن کریم کی شکل میں دنیا کو دیا گیا۔ اور یہ ذمہ خود اللہ تعالےٰ نے لے لیا کہ اب اس آخری پیغام میں قیامت کسی قسم کا ردّ و بدل اور تحریف و الحاق نہیں ہو سکے گا۔ اس ضابطہ خداوندی کی غرض و غایت یہی تھی کہ نظامِ حکومت اسی کے ماتحت قائم ہو۔ توریت و انجیل کے ذکر کے بعد فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۵/۴۸

اور ہم نے (اے رسول) تمہاری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے۔ جو اُن تمام کتب سماوی کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پیشتر دنیا کو مل چکی ہیں اور ان کے مضامین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ پس اس ضابطہ خداوندی کے مطابق لوگوں میں (نظام) حکومت قائم کرو (فیصلے کرو) اور لوگوں کے خیالات کی اتباع مت کرو۔ ورنہ وہ تمہیں اس راستہ سے ہٹا دینگے جو تمہیں حق و صداقت کے ساتھ دیا گیا ہے۔

یہ قوانین چونکہ اس خدائے کائنات کے مرتب فرمودہ ہیں جو ربّ العالمین ہے۔ جو تمام نوعِ انسانی کا یکساں پروردگار ہے۔ اس لئے ان میں کسی جماعت۔ خاص قوم۔ خاص ملک کی کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ نہ کسی کی مخالفت۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کتنے ہی بلند درجہ پر کیوں نہ ہوں ان میں ارادی یا غیر ارادی طور پر اپنی جماعت کے مفاد کی طرف میلان ضرور ہوگا۔ جب تک انسان کے سینہ میں دھڑکنے والا دل موجود ہے۔ وہ جذبات سے عاری نہیں ہو سکتا۔ اور جذبات کا تقاضا ہے کہ وہ امیال وعواطف کی رنگینی قبول کرلیں۔

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر　　سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر

برعکس اس کے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ان جذبات سے منزّہ ومبرّا ہے اس لئے اس کے وضع کردہ قوانین میں کسی خاص سمت جھک جانے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ وہاں ہر معاملہ اصول پر مبنی ہوگا۔ اور ایک خاص قاعدے اور قانون کے ماتحت اس کا فیصلہ ہوگا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۵۷/۲۵

بلاریب ہم نے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب یعنی قوانینِ عدل وانصاف نازل کئے۔ تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

وحیٔ حق بینندۂ سودِ ہمہ　　در نگاہش سود و بہبود ہمہ

پھر دنیاوی نظامِ حکومت میں کوئی نہ کوئی منزل ایسی آئے گی جہاں پہونچکر قوانین کے وضع یا نافذ کرنے والے خود قانون کی حد سے بالاتر ہو جائیں گے۔ یا کم از کم ان کے فیصلوں کی اپیل کہیں نہیں ہو سکے گی۔ ڈکٹیٹر شپ۔ جو انسانی نظامِ حکومت کے سلسلۂ ارتقا میں آخری کڑی سمجھی جاتی ہے۔ اسی اصول پر مبنی ہے کہ ڈکٹیٹر کا ہر لفظ قانون ہوتا ہے۔ اور وہ خود قانون سے بالاتر۔ سٹالن اپنی کتاب "لینن" میں خود لینن کے الفاظ نقل کرتا ہے کہ :۔

"ڈکٹیٹر کے معنی ہیں قوت۔ غیر محدود قوت۔ ایک قاہرہ قوت۔ جو خود آئین و دستور سے بلند ہو۔ اور اس کا ہر لفظ قانون ہو"

اٹلی کے ہر مدرسہ کی دیوار پر فسطائیت کے دس اصول آتشیں حروف میں لکھے جاتے ہیں جن میں سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ مسولینی کا ہر لفظ قانون ہے۔ اور وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ المانیہ میں ہٹلر کا ہر اشارہ قانون بن کر نافذ ہوتا ہے۔ شاہ انگلستان کے متعلق بھی دستور و آئین میں یہ شق رکھنی پڑتی ہے کہ وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ ہندوستان میں ابھی پچھلے دنوں مہاتما گاندھی کے متعلق علانیہ کہا گیا کہ وہ منزہ عن الخطا ہیں۔ یعنے ہر جگہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ نظامِ آئین و دستور میں سب سے اوپر کی کڑی کسی کی مطیع و فرماں بردار نہ ہو۔ اس کے برعکس نظامِ خداوندی میں کوئی بھی کڑی ایسی نہیں ہوتی جو احاطۂ اطاعت و اتباع سے باہر نکل جائے۔ بلکہ وہاں تو اطاعت اور بلندیٔ مدارج لازم و ملزوم ہیں۔ جتنا کوئی بلند ہوتا ہے۔ اتنی ہی زیادہ اطاعت اُسے کرنی پڑتی ہے اور جتنی زیادہ کوئی اطاعت کرتا ہے۔ اُسی نسبت سے اُسے سرفرازی اور سربلندی کے مدارج عطا ہوتے ہیں۔ نظامِ خداوندی میں ذاتِ رسالت مآب صلعم کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن خود حضورؐ کے لئے سب سے بڑا شرفِ اجتباء یہ ہے کہ وہ عَبْدُہٗ۔ اللہ کے غلام۔ اس کے مطیع و فرماں بردار اور قوانین خداوندی کی سب سے زیادہ اتباع کرنے والے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اِتَّبِعْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ ۶/۱۰۶

جو کچھ تیرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اس کی اتباع کرو۔

اس نظامِ کائنات کا ایک ایک ذرہ اطاعت کے اٹل اور بے پناہ قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ اگر سورج کا عظیم الشان کرہ ایک سکنڈ کے سویں حصہ کے برابر بھی اس قانونِ اطاعت میں تساہل برتے تو یہ تمام نظامِ شمسی دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح فضائے آسمانی میں اُڑتا نظر آئے۔ خاک کے ایک ادنیٰ ذرے سے لیکر ان بڑے بڑے محیر العقول کروں تک تمام کے تمام ایک بلند و بالا تر قانون کے مطیع و منقاد ہیں

اسی سے یہ سلسلۂ نظم وضبط قائم ہے۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ فطرت کا یہ منشاء ہو سکتا ہے کہ انسان کے لئے کسی منزل (اسٹیج) پر پہنچکر اطاعت کا قانون غیر ضروری ہو جائے؟ لیکن انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک خاص منزل پر پہونچ کر کسی نہ کسی انسان یا انسانوں کی جماعت کو اطاعت کے قانون سے مستثنیٰ کیا جائے۔ یہ ہے وہ دوسرا بنیادی نقص جو دنیا میں انسانوں کے وضع کردہ نظام حکومت میں موجود رہتا ہے اور جس کے دور کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوری نظام میں مجلس واضعین قوانین کا ہر رکن، قانون کی اطاعت پر اسی طرح سے مجبور رہے جس طرح دوسرے انسان۔ اس لئے وہ جماعت اطاعت کے قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوتی۔ لیکن جس جماعت کے اختیار میں ہو کہ جس وقت چاہے کوئی قانون بنالے اور جب جی چاہے اس میں ردّ و بدل کر دے یا اُسے منسوخ ہی کر ڈالے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ جماعت کس وقت تک اطاعت کی مکلّف رہیگی؟ صرف اس وقت تک جب اُسے اس قانون کی اطاعت میں اپنا فائدہ نظر آتا ہو۔ جب اُسے اس اطاعت میں نقصان معلوم ہوگا تو وہ جھٹ سے قانون بدل ڈالے گی۔ جب یہ حالت ہو تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ جماعت قانون کی اطاعت پر مجبور ہے! درست تو یہ کہنا ہوگا کہ خود قانون اس جماعت کی اطاعت پر مجبور ہے! قرآن کریم نے ان ہر دو اہم اور بنیادی نقائص کو الگ کر کے رکھ دیا۔ جب اس نے فیصلہ کر دیا کہ :-

(۱) کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں۔ یہ حق صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہے ——— اور

(۲) کوئی انسان ایسا نہیں جسے قانون اطاعت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

اور یہ نقائص اسی صورت میں دور ہو سکتے ہیں کہ قانون کے اصول انسانوں کے وضع کردہ نہ ہوں بلکہ انسانوں سے اعلیٰ و ارفع ہستی کے متعین فرمودہ ہوں۔ اللہ تعالےٰ کے اس ضابطۂ قوانین کے ماتحت کسی انسان کو قانون سازی کا حق باقی نہیں رہتا۔ ان کے سپرد صرف یہ خدمت ہوتی ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں جزئیات و فروعات کو ترتیب دیں اور پھر دنیا میں ان قوانین کی تنفیذ کریں۔ جب دنیا میں نظامِ آئین و دستور کی یہ شکل پیدا ہوگی تو اس وقت کہا جا سکے گا کہ انسان کو فی الواقعہ آزادی حاصل ہے۔ کیونکہ اس وقت کوئی

انسان کسی دوسرے انسان کا غلام نہ ہوگا۔ اس وقت وہ تمام اغلال و سلاسل جو بالادست انسانوں نے زیردست انسانوں کی گردن میں مختلف نام دیکر ڈال رکھے ہیں۔ ایک ایک کرکے اُتر جائیں گے۔ اور انسان خدا کی اس کھلی فضا میں اطمینان کا سانس لے گا۔ اور سر اونچا کرکے چل سکیگا۔ اس وقت وہ محسوس کرے گا کہ ؎

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام — نے غلام او را نہ او کس را غلام
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق — زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق

قرآن کریم نے نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصد عظیم یہی قرار دیا ہے جب فرمایا کہ وہ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ :-

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۷/۱۵۷

وہ ان تمام طوق و سلاسل کو اُتار دیں جو انسانیت کی گردن میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یوں انسانوں کو اس بوجھ سے سبکدوش کردیں جن کے نیچے وہ دب رہے ہیں۔

حضورؐ اس مقصد عظیم کو لے کر تشریف لائے اور اپنی مختصر سی حیات طیبہ میں۔ قدوسیوں کی ایک جماعت پیدا کرکے دنیا کو دکھا دیا کہ اس سطح ارض پر خدا کی وہ پادشاہت کیسے قائم کیجا سکتی ہے جس میں "ایک انسان اور اس کے خدا کے درمیان کوئی دوسری طاقت حائل نہ ہو" (حضرت عمرؓ)۔ جب اس نظام کی تکمیل ہوگئی تو ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھ لیا کہ "جنت ارضی" اسے کہتے ہیں۔ اس نظام کی تکمیل کے بعد نبی اکرمؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں فرمایا کہ :-

ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السمٰوات والارض۔

آج زمانہ مختلف چکر کاٹ کر اپنی اصلی ہیئت پر پہنچ گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اُسے تخلیق کائنات کے دن بنایا تھا۔

یعنی آج انسانیت اس فضا میں پہونچگئی ہے جو فضا اس کی فطرت کے عین سازگار تھی۔ اور جسے انسانی جذبۂ تغلّب و تسلّط کی دسیسہ کاریوں نے اس قدر مکدّر کر رکھا تھا۔ یہ فضا کیا تھی۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ ۳۰/۳۰

اللہ کا وہ قانون فطرت جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا اور جس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا یہ ہے دین قیّم (ایک محکم اور مضبوط قانونِ حیات) ۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ۔

یہ "دینِ قیم" کیا ہے ۔ اسے وعظِ یوسفی کے الفاظ میں سنیئے ۔ فرمایا

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؟

اے قید خانہ کے ساتھیو! ذرا سوچو تو سہی کہ کیا مختلف اور متفرق "خدا" (آقا) اچھے ہیں یا ایک خدا جو تمام قوتوں کا مالک ہے ۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

تم اللہ سے ورے ہی جن آقاؤں کی محکومی اختیار کر لیتے ہو انکی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ تم نے اور تمہارے اباؤ اجداد نے کچھ نام مقرر کر رکھے ہیں (اصطلاحات وضع کر چھوڑی ہیں)

مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

ان "خداؤں" (آقاؤں) کی محکومی اختیار کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے ۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

یاد رکھو! حکومت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے ۔

اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۔

اس نے حکم دے رکھا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی محکومی اختیار نہ کرو ۔

ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ ۱۲/۴۰-۳۹

یہ ہے دین قیّم۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ۱۲/۳۹-۴۰

باب دوم

اس مختصر سے مضمون میں یہ بتانا تو مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ اس نظام زندگی میں جو حکومتِ الٰہی کے ماتحت مرتب ہوتا ہے۔ یہ دُنیا جسے انسانی چیرہ دستیوں نے جہنم زار بنا رکھا ہے کس طرح امن وسکون کی جنت بن جاتی ہے۔ اس کے لئے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ (اور یہ چیز ہماری کتاب "معارف القرآن" میں اپنی جگہ پر آجائے گی)۔ البتہ اس وقت ہم ان دو اصولی باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن کی غلط بنیادوں کی وجہ سے انسانیت کا گلا گھٹ رہا ہے اور اضطراب وعدم اطمینان کی ایک آگ ہے جسکے شعلے دلوں کو لپٹ رہے ہیں۔ یہ دو بنیادی چیزیں ہیں۔ دولت اور قوت Wealth (Property) and Power کی غلط تقسیم اور غلط استعمال۔ تاریخ عالم پر نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت آپ پر بے نقاب ہو جائے گی کہ دولت اور قوت کا بے جا استعمال ہی تمام فتنہ سامانیوں کا سرچشمہ ہے۔ اجمالاً دیکھئے کہ ضابطۂ خداوندی ان دونوں فتنوں کا کس طرح سے سدّباب کرتا ہے اور انہیں کس طرح حدود وقیود کی پابندیوں میں گھیر کر ان سے ایسا کام لیتا ہے جیسے کسی انجن میں بھاپ ہو۔ چند موٹے موٹے عنوانات پر غور فرمائیے۔

---

(۱) زمین کسی کی ملکیت نہیں

زمین پر ذاتی قبضہ اور اس کی ناہموار تقسیم دنیا میں عظیم الشان فتنوں کا باعث بنی رہی ہے اور بن رہی ہے۔ ایک شخص کے پاس دس ہزار بیگہ زمین ہے جس پر وہ بلا شرکت غیرے قابض ہے اور وہ باپ سے بیٹے کی طرف وراثتاً منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ہے جسے سال بھر کے اناج کے لئے زمین کا ٹکڑا نہیں ملتا۔ اس کے لئے وہ "زمین کے مالک" کا محتاج ہے۔ وہ دن کی چلچلاتی دھوپ اور رات کے کڑکڑاتے جاڑے کی محنت کا ماحصل اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا ہے اور اپنے بچوں کی روٹی کے لئے

اس کے ہاتھوں کی طرف تکتا ہے۔

حاصلِ آئین و دستورِ ملوک؟
دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

قرآن کریم زمین کی شخصی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۔ ۷/۱۲۸

یقیناً زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے

زمین رزق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کی تقسیم لوگوں کی محنت اور ضرورت کے اعتبار سے ہونی چاہیئے اور اس کا نظم ونسق اس جماعت کے ہاتھ میں جو حکومت الٰہی کے قیام کے لئے بطور "خلیفۃ فی الارض" متمکن ہو۔ سرحد کے آزاد قبائل میں آج بھی یہ حالت ہے کہ گاؤں کا خان ہر تیسرے یا پانچویں برس "بندوبست" کی تجدید کرتا ہے اور ہر شخص کی ضرورت اور محنت کے مطابق زمین کے ٹکڑے تقسیم کر دیتا ہے۔ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ مدت کے لئے فائدہ حاصل کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے (متاعٌ الیٰ حین) نہ کہ اس پر سانپ بنکر بیٹھ جانے کے لئے۔

حق زمیں را جز متاع ما نگفت	ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت
دِہ خدایا! نکتۂ از من پذیر	رزق و گور از وے بگیر او را مگیر
باطنِ الارض للّٰہ ظاہر است	ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است
رزق خود را از زمیں بردن رواست	ایں متاعِ بندہ و مِلکِ خدا است[1]

اور ایک زمین ہی کے متعلق نہیں۔ بلکہ رزق کے جس قدر چشمے مبدا فیض کی کرم گستری سے حضرتِ انسان کو مفت عطا ہوئے ہیں۔ قرآن کریم انہیں ہر ایک کے لئے یکساں طور پہ کھلا رکھتا ہے تاکہ ہر شخص

---

[1] اس مقام پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ۔ اور اس قسم کے دیگر اسلامی قوانین اس وقت نفاذ پذیر ہونگے جب ہماری سوسائٹی کا نظام اسلامی ہوگا۔ یہ نہیں کہ سوسائٹی کا نظام تو یکسر غیر اسلامی ہو۔ اور اس غیر اسلامی نظام کے ماتحت اس قسم کے اسلامی قوانین نافذ کئے جائیں۔ اسلام ایک مکمل نظام کا نام ہے۔ الگ الگ مسائل کا نام نہیں۔ یہ ایک بڑا اہم اور بنیادی مسئلہ ہے جسے اچھی طرح خاطر نشین کر لینا نہایت ضروری ہے۔ منہ

اپنی محنت کے مطابق اس سے متمتع ہو۔ فرمایا

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۔ ۴۱/۱۰

اور (اللہ نے) زمین کی سطح پر پہاڑ پیدا کئے۔ اور اس میں (ایسی چیزیں پیدا کیں جو موجبِ) برکات ہیں۔ اور اس میں چار فصلوں میں خوراک کے سامان پیدا کئے (ان سب کے دروازے) ہر متلاشی کے لئے یکساں طور پر کشادہ ہیں۔

---

(۲) دفائن و خزائن

قرآن کریم انسان کو اس کی محنت کے ماحصل کا مالک قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کی اجازت کبھی نہیں دیتا کہ دولت کے انبار کے انبار ایک جگہ جمع کر کے رکھ لئے جائیں۔ کیونکہ دولت کے تو معنی ہی "گردش کرنے" کے ہیں۔ جب وہ گردش Circulation سے رُک جائے، تو دولت نہیں رہتی۔ نوعِ انسانی کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔ اسی لئے دولت کو روک رکھنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔

کس قدر بدبختی ہے اس کے لئے جو دولت کو جمع کرتا ہے اور پھر اُسے گنتا رہتا ہے (کہ اس میں کتنا اضافہ ہوا) کیا یہ سمجھتا ہے کہ یہ دولت اس کے پاس ابدالآباد تک رہیگی؟ کبھی نہیں بلکہ یہ تو اسے ایک ایسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے جہنم میں لے جائے گی جس کی آگ کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ ۱۰۴/۶-۲

دوسری جگہ فرمایا:۔

جو لوگ چاندی اور سونے کے دفینے بنا رکھتے ہیں۔ اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُنہیں ایک دردناک عذاب کی بشارت دیجئے۔ جس دن ان سکّوں کو آگ میں تپایا جائیگا اور ان سے ان کی پیشانی اور پہلو اور کمر کو داغ دیا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ ہاں!) یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنے لئے روک کے رکھا تھا۔ سو اب اس روکنے کا مزہ چکھو۔ ۹/۳۴-۳۵

(۳) روپیہ کی گردش

دنیا میں آج دولت کی اس قدر فراوانی ہے کہ زمانہ سابقہ میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ لیکن بایں ہمہ دنیا میں جس قدر بھوک اور افلاس آج ہے۔ اس کی بھی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ ماہرین اقتصادیات اسکی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ روپیہ کی گردش Circulation صرف اوپر کے طبقہ میں رہتی ہے۔ روپیہ نیچے نہیں اُترتا۔ قرآن کریم نے آج سے چودہ سو برس پیشتر جب نپا معاشیات کے جدید اصولوں سے بالکل بے خبر تھی کس قدر واضح الفاظ میں فرمادیا کہ روپیہ کی گردش اس انداز سے مت کرو کہ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ ۵۹/۷

وہ تمہارے امراء کے طبقہ میں ہی گردش کرتا رہے۔

---

(۴) سُود

پھر آج دنیا کی مہیب ترین لعنتوں میں سے سب سے بڑی لعنت سود ہے۔ یعنی روپیہ اگر کسی ایسی جگہ سے جہاں وہ بلا ضرورت پڑا ہو ایسی جگہ آتا ہے جہاں اس کی احتیاج ہے تو وہ سود کی لعنت اپنے ساتھ لاتا ہے۔ ضابطۂ خداوندی کی رُو سے سود وہ جرم عظیم ہے کہ اسے "خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ" قرار دیا گیا ہے۔ ۲/۲۷۹

از ربا آخر چہ می زائد؟ فتن! — کس نداند لذتِ قرضِ حسن

از ربا جاں تیرہ۔ دل چوں خشت و سنگ — آدمی درندے بے دندان و چنگ

---

(۵) ٹیکس

دولت کی عام گردش کے بعد بھی اگر کوئی روپیہ کسی کے پاس اپنی ضرورت سے زائد بچ جائے تو اس پر ٹیکس عائد کیا جائیگا تاکہ وہ مرکز میں جمع ہو کر ضرورت کے مقامات پر صرف کیا جائے۔ یہ چیز غور طلب ہے کہ حکومت الٰہی میں ٹیکس بچت Savings پر لگتا ہے۔ آمدنی Income پر نہیں لگتا۔ یعنی آمدنی میں سے خرچ منہا کر کے جو کچھ باقی بچ جائے اس پر۔ اور جہاں تک خرچ کا تعلق ہے۔ اس پر اسراف اور تبذیر۔ یعنی ضرورت سے زیادہ خرچ اور بلا ضرورت خرچ پر وعید کی حدود بندی عائد کر کے انسان کو متوسط طرز زندگی کا عادی بنا دیا۔ پھر اس معینہ مقدار کے ٹیکس

(زکوٰۃ) پر ہی اکتفا نہیں۔ بلکہ عام خیرات اس سے الگ ہے۔

اور ان تمام امور کے علاوہ یہ بھی فرمادیا کہ اگر کسی وقت ملت کو ضرورت پڑے تو جو کچھ موجود ہو وہ سب حاضر کر دیا جائے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۔ قُلِ الْعَفْوَ ۲/۲۱۹

پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا صرف کیا جائے۔ کہدیجئے کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو (وہ سب)

اور پھر یہ جو کچھ خرچ کیا جائے گا نہ کسی کو دکھانے کے لئے۔ نہ نام کی شہرت کی خاطر۔ نہ دنیاوی عزّ و جاہ کے لئے نہ دل پر تنگی اور بوجھ محسوس کر کے۔ بلکہ خالصًا لوجہ اللہ ہنسی خوشی۔ دل کی خوشنودی سے۔ اس لئے کہ اس نظام خداوندی کی رُو سے۔

بندۂ مومن امین۔ حق مالک است　　غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است

مومن کی جان۔ اس کا مال۔ ایک فروخت شدہ چیز ہے۔ یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص ایک چیز خرید کر اُسے کچھ وقت کے لئے بیچنے والے کے پاس بطور امانت رہنے دے کہ جب اُسے ضرورت ہوگی۔ لے لیگا

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

یقیناً مومن کی جان اور اس کا مال تو بعوض جنت اللہ کے پاس فروخت شدہ ہیں

جس وقت اصل مالک کو ضرورت ہوگی۔ اس امین کو یہ چیزیں اُس کے حوالے کرنی ہوں گی۔

---

(۶) وراثت

اور اگر ان تمام حالات کے بعد بھی کسی کے پاس کچھ بچ جائے تو اس کی وفات پر وہ ایسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے کہ دولت کسی ایک مقام پر مرکوز نہیں ہونے پاتی۔ اور ہر شخص اپنی محنت سے رزق حاصل کرتا ہے۔ انگلستان کا قانونِ وراثت نہیں کہ بڑے بیٹے کو باپ کی سب جائداد وراثت میں مل جائے اور وہ نہایت آسانی سے "لاٹ صاحب" بن جائے اور اسی باپ کے دوسرے بچے۔ بھوکے مرتے پھریں۔ یعنے اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کی وہی تقسیم جو

ان کے اقتصادی نظام کے ہر شعبہ میں کارفرما ہے۔ قانون وراثت کو بھی محیط ہے۔ قانونِ خداوندی پر بہ تفریق خود بہ خود مٹ جاتی ہے

ہم نے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے حکومت الٰہی کے اس شعبۂ نظام کے متعلق اشارات پر اکتفا کیا ہے تفصیل اس اجمال کی طویل ہے۔ لیکن اس نظام کا عملی اور زندہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو اس نظام کی حفاظت میں لے آتا ہے۔ وہ کبھی بھوکا نہیں سو سکتا۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس کے رزق کی ذمہ داری اِس نظام پر عائد ہو جاتی ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس عہد کے کیا معنے ہیں کہ :-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ﴿۱۱/۶﴾

روئے زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ نے نہ لیا ہو۔

دیکھنے کو تو یہ آیت مقدسہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے۔ لیکن غور فرمائیے کہ اس کے اندر نظام انسانیت کا کس قدر مہتم بالشان اصول کارفرما ہے۔ کیا انسان اپنے دماغ سے کوئی ایسا نظام وضع کر سکا ہے جس میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اس نظام نے اپنے سر لے لی ہو؟ انسانی حکومت کی تاریخ کے کسی دور میں بھی آپ کو یہ چیز نہیں ملے گی۔ سب سے پہلی مرتبہ اس کا اعلان حکومت الٰہیّہ کی طرف سے ہی ہوا اور اسی نے ہمیں بتایا کہ۔

کس نماند در جہاں محتاجِ کس نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

یہ چیز آپ کو صرف اسی نظام میں ملے گی کہ امت کا بلند ترین فرد۔ امیرالمومنین روٹی کا ایک لقمہ اپنے منہ میں نہیں ڈال سکتا۔ جب تک اسے پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ جس حلقہ کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ فرد پیٹ بھر کر سکھ کی نیند سو گیا ہے آج انسان کی حالت یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ پر ضابطہ خداوندی کی بجائے اپنے خود ساختہ ضوابط کو مسلط کر رکھا ہے اور جب اس نظام کے نتائج۔ بھوک، افلاس، ذلّت و نکبت۔ پریشانی و تباہ حالی کی شکل میں سامنے آتے ہیں تو اس کا الزام خدا پر دھرتا ہے

اور ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس کے بعد ان مصائب کا حل پھر کسی اپنے ہی متعین کردہ نظام میں تلاش کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اپنے آپ کو خدا کے نظام کے حوالے کر دے تو پھر دیکھئے کہ یہ تمام مشکلات کس طرح خود بہ خود آسان نہیں ہو جاتیں؟ نظام اپنے اوپر مسلط کر لینا طاغوتی اور نتائج تلاش کرنے ملکوتی! اگر کھلی ہوئی جہالت نہیں تو اور کیا ہے!! زلزلہ میں بوسیدہ مکان کے اندر پناہ لینے والے کا انجام ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ذرا خدا کی چھت کے نیچے آیئے اور پھر دیکھئے کہ وہ آپکی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے یا نہیں!

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۲/۲۵۶

جو غیرِ خدا (کے سرکش نظام) سے منہ موڑ کر اللہ پر ایمان لے آتا ہے تو اسے ایک ایسا محکم اور پائیدار سہارا مل جاتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

یہ "پائدار سہارا" وہ نظام خداوندی ہے جس کے بعد دنیا کے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی یہ انسان کی کیفیت بدل دیتا ہے اس جہان کی کیفیت بدل دیتا ہے۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چو دیگر شد۔ جہاں دیگر شود

---

(۲) قوت Power

اس عالمِ کون و فساد میں دوسرا انسانیت سوز فتنہ قوت کا غلط استعمال ہے۔ قوت درحقیقت دولت ہی کے عملی نتیجہ کا نام ہے۔ سرکشی و تمرد۔ استبداد و فرعونیت بلا گنج قارون کہاں پنپ سکتی ہے۔ پھر جس طرح دولت بجائے خویش بُری چیز نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال ہلاکت آفریں ہے اسی طرح قوت کے اندر بھی بجائے خود کوئی خرابی نہیں۔ البتہ اس کا بیجا استعمال تباہی و بربادی کا ایسا بلا انگیز طوفان پیدا کرتا ہے کہ

اس سیلِ سبک سیر و زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہُنر ہیں خس و خاشاک

حکومت الٰہی میں قوت پر ایسی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں کہ وہ ایک سرکش طوفان بننے کے بجائے ساحلوں میں جکڑا ہوا دریا بن جاتی ہے جس سے ہزار قسم کے فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ نظام خداوندی میں قوت ظلم و ستمگری کے لئے نہیں بلکہ ظالم و قہرمان کا جور و ستم روکنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے وہ غاصب و سفاک کی شمشیر بے نیام نہیں بنتی بلکہ مظلوم و ستم رسیدہ کے لئے سپر کا کام دیتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ قوت۔

لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھکر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

آزادیٔ مذاہب

تاریخ عالم اس پر شاہد ہے کہ استبداد کا آہنی پنجہ سب سے پہلے حریت فکر و آزادیٔ مذاہب کے گلے پر پڑتا ہے۔ ساحرین فرعون نے جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق و صداقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تو انہوں نے بلا تامل اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ اس پر فرعون کی آنکھوں سے جلال کے شرارے نکلنے لگے۔ غضب و انتقام کا سیلاب جوش میں آگیا۔ قوت کے نشہ میں بپھر کر بولا۔

آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۔ ۲۰/۷۱

ہیں! تم اس پر میری اجازت کے بغیر ہی ایمان لے آئے؟ اب دیکھو کہ میرا انتقام کیا کرتا ہے! ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں سولی پر لٹکاتا ہوں!!

یہ صرف ایک واقعہ ہے۔ دنیا کی تاریخ کے ایک ایک ورق پر اس قسم کے واقعات خون کے حروف سے لکھے ملتے ہیں۔ لیکن یہ اعلان آپ کو حکومت الٰہی کے دربار سے ہی ملیگا کہ

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۔ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ ۲/۲۵۶

دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی ہے۔

اس لئے

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹

جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔

حکومت خداوندی میں مذہب کے معاملہ میں صرف آزادی ہی نہیں بلکہ وہاں تو ایک قدم اور آگے بڑھا جاتا ہو مسلمان صاحب قوت و اختیار ہوں تو ان پر لازم آتا ہے کہ بوقت ضرورت دیگر اہل مذاہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس لئے کہ

لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا ۔ ۲۲/۴۰

اگر اللہ بعض انسانوں (کی قوت) کے ذریعے دوسرے انسانوں (کی سرکشی) کی روک تھام نہ کرے تو زہاد کے خلوت خانے۔ نصاریٰ کے گرجے۔ اور یہودیوں کے صومعے سب منہدم ہو جائیں۔

عدل وانصاف

پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی دوسری قوم تمہارے ساتھ دشمنی کرے تو تم انکے بارے میں عدل وانصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ یہ نہ ہو کہ ان کی عداوت کی بنا پر تمہارے دل میں جو انتقام کے جذبات پیدا ہوں ان جذبات کی تسکین کے لئے تم بے انصافی پر اُتر آؤ۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ۵/۸

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نکر دے کہ تم اُن سے بے انصافی کرنے لگو۔

آپ اقوام گذشتہ کی تاریخ کے اوراق الٹ جائیے۔ سیاستِ عصر حاضرہ پر گہری نگاہ ڈالئے۔ اور دیکھئے کہ کہیں کسی ایک جگہ بھی آپ کو یہ بلند صول دکھائی دیتا ہے؟ کیا انسانوں کے وضع کردہ نظام و دستور میں یہ ممکن ہے کہ معاندت و عداوت کا جواب عدل وانصاف سے دیا جائے۔ اور آگے بڑھئے۔ دشمن برسرِ پیکار ہے اسکی قوم کا کوئی فرد آپ سے پناہ کا طالب ہے۔ ارشاد ہے کہ اسے پناہ دو۔ خدا کا کلام سناؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنے ہاں

واپس جانا چاہے تو اپنی حفاظت میں اُسے اس کی جائے امن تک پہونچا دو۔ (۹/۶)

ہم "جنگ اور قرآنِ کریم" کے عنوان پر انشاء اللہ کسی دوسری فرصت میں مفصل لکھیں گے۔ اس وقت صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ خدا کی حکومت میں جنگ فتنہ و فساد کے استیصال کی خاطر ہے نہ کہ فتنہ و فساد پھیلانے کی غرض سے۔ اگر مقصد محض تسخیرِ ممالک ہو۔ جوع الارض کی تسکین ہو۔ تو وہ جنگ سلطنت کی جنگ ہو جاتی ہے جسکی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ - - - - - - - - - لیکن اگر جنگ کی غرض جور و استبداد کے بجائے حکومت الٰہی کا قیام ہو۔ کہ جس میں انسانیت کو صحیح آزادی حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ جنگ عین منشائے فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک زہر آلود۔ مہلک ناصور کا اپریشن مریض پر ظلم ہے۔

صلح۔ شر گردد۔ چو مقصود است خیر　　گر خدا باشد غرض۔ جنگ است خیر
گر نہ گردد حق ز تیغِ ما بلند　　جنگ باشد قوم را ننگ و گزند

جب قوت و اختیار ضابطۂ خداوندی کے ماتحت حاصل ہوتا ہے تو وہ جماعت جو قوانین الٰہی کے نافذ کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس انداز کی ہوتی ہے کہ

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۲۲/۴۱

وہ لوگ جب تمکن فی الارض ہوتے ہیں تو اس لئے کہ خدا کی عبادت کو مستحکم کریں (غریبوں کی امداد کی خاطر) زکوٰۃ دیں۔ ہر جگہ عدل و انصاف (نیک امور) کا حکم جاری کریں۔ اور ظلم و تشدد کی (بُری باتوں) کی روک تھام کریں۔

اس جماعت کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف　　وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف

نہ وہ کسی کے بیجا رعایت کرتے ہیں۔ نہ کسی سے ڈرتے ہیں انکی صلح اور دشمنی دونوں حق و انصاف پر مبنی ہوتی ہیں۔

یہ ہے اجمالی سا خاکہ اس حکومت الٰہی کا جس کے قیام کے بعد انسان وحشت و درندگی سبعیت

وبربریت کی زندگی چھوڑکر صحیح "انسانیت" کی زندگی اختیار کرلیتا ہے۔ اور پھر وہ ارتقائی منازل طے کرتا ہے جن کے بعد وہ اس نصب العین تک پہنچ سکتا ہے جس کا حصول اس کی تخلیق کا مقصد ہے وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔

واضح رہے کہ خدا کی یہ بادشاہت محض تخیلات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ خدا کے بندوں نے اس بادشاہت کو دنیا میں قائم کرکے دکھادیا۔ پوچھئے چشم فلک سے کہ اس نے اس نظارہ کو دیکھا ہے یا نہیں؟

اس مقام پر عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ نظام اس قدر فطرت انسانی کے مطابق تھا اور ایسے درخشندہ نتائج کا حامل۔ تو پھر یہ زیادہ دیر تک قائم کیوں نہ رہا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام قابل عمل نہیں ہے محض نظری ہے۔

اس اعتراض کا جواب ہمیں قرآن کریم کے قصۂ آدمؑ میں ملتا ہے۔ حضرت آدم کو جنت میں رکھا جاتا ہے اور اس طرح بتادیا جاتا ہے کہ تمہاری زندگی کا منتہا یہ مقام ہے۔ اس کے بعد ہبوط آدمؑ ہوا۔ وہ جنت کی زندگی سے اس دنیاوی زندگی کی طرف منتقل ہوگئے۔ لیکن انہیں اس کے ساتھ ہی واضح طور پر بتادیا گیا کہ اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے یہ صراط مستقیم ہے اور اس پر اس انداز سے چلنے سے تم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہو۔ اس راستہ میں پرخطر مقامات آئینگے۔ مہیب غار آئیں گے۔ مصائب و مشکلات کا سامنا ہوگا۔ آزمائش کی گھاٹیاں آئیں گی۔ لیکن

مَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

جو ہماری ہدایت کی اتباع کریگا اسے کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوگا۔

جب انسان اس طرح جدوجہد میں پختہ ہوکر اور تمام ارتقائی منازل طے کرکے اپنے آپ کو جنت کی زندگی کے قابل بنالے گا۔ تو پھر اسی مقام پر پہنچ جائے گا جو اُسے شروع میں بطور نصب العین بتایا گیا تھا۔ اس واقعہ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جنت کی زندگی محض ایک نظری چیز تھی۔ اگر فطرت انسانی کے مطابق یا قابل عمل ہوتی تو آدمؑ ہمیشہ کے لئے وہیں کیوں نہ رہتے۔

یہی کیفیت امتِ محمدیہ کی ہے۔ اس دنیا میں جس قسم کا نظام انسانی زندگی کا منتہی۔ اور اسکی

فطرت کے مطابق اس کا صحیح نصب العین ہے۔ اُسے اس دنیا میں قائم کرکے انسان کو دکھا دیا کہ یہ ہی منزل مقصود۔ (فرق اتنا تھا کہ آدم کو جنت کی پہلی زندگی بلا کسبِ عمل عطا ہوئی تھی۔ لیکن اسلامی نظام اس جماعت کے ایمان و عمل کا نتیجہ تھا جو اس کے لئے تیار کی گئی تھی۔ اور جس نے آنے والے انسانوں کو بتا دیا کہ یہ نظام محض نظری نہیں بلکہ عملی شکل میں قائم کیا جا سکتا ہے)۔ اس کے بعد "ہبوطِ آدم" ہوا۔ اور آنے والی نسلوں کو بتا دیا گیا کہ یہ تھا تمہارا نصب العین۔ اس نصب العین تک پہونچنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرنی پڑے گی۔ مختلف ارتقائی مراحل سے گذرنا ہوگا۔ اور جب اس طرح انسان اپنے اندر پختگی پیدا کرکے (بچپن سے جوانی تک پہنچکر) اس نظام زندگی کے قیام و بقا کا اہل بن جائیگا تو وہ نظام پھر سے قائم ہو جائیگا۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انسانیت خود بخود ارتقائی منازل طے کرتی، گرتی، پڑتی اس نصب العین کی طرف بڑھتی آرہی ہے۔ اور بڑے بڑے ناکام تجارب کے بعد تسلیم کرتی جارہی ہے کہ فی الحقیقت فطرتِ انسانی کے مطابق وہی نظام ہے جسے آج سے چودہ سو سال پیشتر بطور نصب العین دکھایا گیا تھا۔ انسانوں کو راستہ دکھا دیا گیا ہے اور خدا کا مکمل اور آخری ضابطہ، قرآن کریم، ان کے پاس موجود ہے اب اس تمام تگ و تاز کے بعد جب انسان اس نصب العین تک پہونچے گا تو اس وقت اُس نے علم و عقل کی ارتقائی منازل سے گذر کر اپنے آپ کو اس قابل بنا لیا ہوگا کہ اس نظام کو سنبھال سکے۔

اُس وقت جنت اُخروی کی طرح اس جنت ارضی کے متعلق بھی کہا جائیگا کہ :-

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ - ۴۳/۷۲

یہ ہے وہ جنت جو تمہیں تمہارے اعمال کے بدلے دی گئی ہے

آں بہشتے کہ خدائے تو بخشد ہمہ ہیچ
تا جزائے عمل تست جناں چیزے ہست!

نوٹ :- خریداران رسالہ سے التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ "مینجر"

مقصودِ اقبالؒ

اَسَدؔ مُلتانی

یہ اشعار مجلس مرکزیہ یومِ اقبال، لاہور کے منعقد کردہ "یومِ اقبال" مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ء کیلئے لکھے گئے۔ یہ محض تخیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک سچے واقعہ کو شاعرانہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نظم یومِ اقبال کی تقریب پر پڑھی گئی اور نشر بھی ہوئی۔

کہا اقبالؔ سے اک ہمنشیں نے
سخن تیرا شرابِ آتشیں ہے

کچھ اس انداز سے گرما دے دِل
کہ اب تسکین ممکن ہی نہیں ہے

حرارت ہے ترے سوزِ نوا کی
کہ بجلی سی دلوں میں جاگزیں ہے

کلامِ شاعراں پروردۂ عصر
مگر تیرا سخن عصر آفریں ہے

اثر میں ہے یہ صُورِ محشر انگیز
کشش میں نغمۂ خُلدِ بریں ہے

بدل ڈالا مذاق اس نے ہمارا
دل اب طرزِ کہن پر نکتہ چیں ہے

ترے اشعار پڑھ کر اب نظر میں
کسی کی شاعری جچتی نہیں ہے

یہ سُن کر حضرتِ اقبالؔ بولے — فقط لطفِ سخن کافی نہیں ہے

زمینِ شعر ہی میں گم نہ ہو جا — فلک وہ ڈھونڈ جسکی یہ زمیں ہے

مرے فکرِ فلک پیما کی پرواز — ادب پرورئ روحُ الامیں ہے،

فروغِ عشق و سوزِ آرزو سے — سخن میرا تب و تابِ آفریں ہے

مگر میرے سخن کی روشنی بھی — "چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے"

میرے اشعار میں پھنس کر نہ رہ جا — اگر تو سالکِ راہِ یقیں ہے

تری نظروں میں ہیں میری تصانیف — مری نظروں میں قرآنِ مُبیں ہے

گذر جانا مری بزمِ سخن سے — رہِ قرآں میں گامِ اولیں ہے

جو تو اس طرح قرآں تک پہنچ جائے — تو حاصل دولتِ دنیا و دیں ہے

محیطِ کائناتِ دل ہو قرآں

نظر کی آخری منزل ہو قرآں

اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم

[یہ مضمون ہمارے محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی۔ مدیر ترجمان القرآن۔ نے "یوم اقبال" لاہور کی تقریب پر پڑھا اور بکمال کرم گستری طلوع اسلام کو اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا ہے جس کے لئے ہم مولانا صاحب کے شکر گذار ہیں۔ چونکہ مضمون پروگرام کے مطابق ایک معین وقت کے اندر ختم کرنا تھا۔ اس لئے مولانا صاحب اس میں اپنے موضوع پر صرف اجمالی حیثیت سے بحث کر سکے ہیں۔ امید ہے کہ ارباب بصیرت انہی اشارات سے اصلی مقصود تک پہونچ جائیں گے۔ دو ایک باتیں البتہ ایسی ہیں جن کے متعلق کچھ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ مولانا صاحب نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان قوم نہیں بلکہ ایک پارٹی (حزب اللہ) ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ نہیں کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم Nation نہیں بلکہ ایک فرقہ Community ہیں۔ مولانا صاحب تو سیاست حاضرہ کی "متحدہ قومیت" کے خلاف جہاد کرنے والوں میں پیش پیش اور مسلمانوں کی الگ، جداگانہ اور مستقل قومیت کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ اس اشارہ سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ جن نظریوں کے ماتحت آج قوم کی تشکیل ہوتی ہے اسلامی قومیت ان نظریوں سے الگ ایک جداگانہ نظریہ کے ماتحت قائم ہوتی ہے اور وہ نظریہ اس نظریہ سے ملتا جلتا ہے جس کے ماتحت آج مختلف اقوام کے اندر "پارٹیاں" بنتی ہیں۔ آج دنیا میں قومیں اشتراک وطن۔ اشتراک نسل۔ اشتراک زبان وغیرہ کی اساس پر قائم ہوتی ہیں۔ لیکن ان قوموں کے اندر اشتراکِ اصول کے ماتحت جو جماعتیں بنتی ہیں وہ پارٹیاں کہلاتی ہیں مثلاً انگریزوں کی ایک قوم ہے جو اصول و مسلک کے اشتراک سے قائم نہیں ہوئی لیکن اس قوم کے اندر اشتراک اصول کے ماتحت لبرل اور لیبر وغیرہ پارٹیاں بنتی رہتی ہیں۔ اسلامی قومیت میں وجہ جامعیت، وطن، نسل، رنگ، زبان وغیرہ نہیں۔ بلکہ

اصول و مسلک ہے۔ یعنے وہ وجہ جامعیت جس کی بنا پر آج قومیں نہیں بلکہ پارٹیاں ترتیب پاتی ہیں۔ اس لئے دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں اس اصولِ ترتیب کی جہت سے مسلمان حزب یعنی پارٹی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اسلامی قومیت خاک و خون کی حدود سے بلند۔ اصول و مسلک کے اشتراک کی بنا پر قائم ہوتی ہے جن افراد میں یہ مشترک اصول موجود ہو وہ اس قوم کے افراد ہیں۔ جو اس **اُصول** سے منہ پھیر لیں۔ وہ مردم شماری کے رجسٹر میں اپنا نام خواہ کچھ ہی کیوں نہ لکھائیں مسلم قومیت کے افراد نہیں کہلا سکتے۔ یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ مولانا صاحب نے **اصول اسلام** سے انحراف کو مسلم قومیت سے علیحدگی کے مرادف قرار دیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اصول و فرع میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فرعی معاملات میں تغافل و تساہل سے انسان گنہ گار ہو جائے گا۔ مجرم قرار پائے گا۔ سزا کا مستحق ہوگا۔ لیکن ملتِ اسلامیہ کے شجر مقدس سے کٹ نہیں جائے گا۔ لیکن **اصول اسلام** سے منحرف کے لئے اس دائرہ کے اندر کہاں گنجائش ہو سکتی ہے؟ مسند امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے جس کی رو سے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ "جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو گیا۔ اسلام کا طوق اس کی گردن سے اُتر گیا۔ (صحابہ نے) عرض کیا کہ حضورؐ! خواہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو۔ کیا پھر بھی اسلام سے خارج ہو جائیگا۔ فرمایا کہ ہاں۔ خواہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو۔ اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔"

یہ بھی واضح رہے کہ جس حالت میں ہم آج ہیں۔ اس کی رُو سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ہم رات کو سوئیں اور صبح اُٹھیں تو ہم سے ہر ایک "عمر فاروقؓ" بن چکا ہو۔ صدیوں کی "جاہلیت" ایک دن میں "اسلام" میں نہیں بدلی جا سکتی۔ ان حالات کے ماتحت ہمارے پاس صحیح اور غلط "اسلامی" اور "غیر اسلامی" کا معیار یہ ہوگا کہ ہمارا ہر قدم جاہلیت سے اسلام کی طرف اُٹھ رہا ہے یا نہیں۔ اگر اُٹھ رہا ہے تو ہماری آج کی "جاہلیت" آنے والے دور اسلامی کی آئینہ دار ہو سکتی ہے لیکن اگر ایسا نہیں تو آپ کی کوئی حرکت بھی اسلامی نہیں کہلا سکتی

خواہ وہ آپ کی نگاہ میں کتنی ہی خوش آیند کیوں نہ ہو۔

ان مختصر سی توضیحات کو سامنے رکھیئے اور پھر مولانا صاحب کے مضمون کا مطالعہ فرمایئے انشاء اللہ آپ مستفید ہونگے۔ طلوع اسلام]

زمانہ حال میں مسلمانوں کی جماعت کے لئے لفظ "قوم" کا استعمال بڑی کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے اور عموماً یہی اصطلاح ہماری اجتماعی حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے رائج ہو چکی ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے اور بعض حلقوں کی طرف سے اس کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش کی گئی ہے، کہ قرآن اور حدیث میں مسلمانوں کے لئے لفظ "قوم"، (یا نیشن کے معنی میں کسی دوسرے لفظ کو) اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ میں مختصراً یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان الفاظ میں اصلی قباحت کیا ہے جس کی وجہ سے اسلام میں ان سے پرہیز کیا گیا، اور وہ دوسرے الفاظ کون سے ہیں جن کو قرآن و حدیث میں استعمال کیا گیا ہے یہ محض ایک علمی بحث نہیں ہے، بلکہ اس سے ہمارے ان بہت سے تصورات کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جن کی بدولت زندگی میں ہمارا رویہ بنیادی طور پر غلط ہو کر رہ گیا ہے۔

لفظ قوم، اور اس کا ہم معنے انگریزی لفظ Nation یہ دونوں دراصل جاہلیت کی اصطلاحیں ہیں۔ اصل جاہلیت نے "قومیت" کو کبھی خالص تہذیبی بنیاد پر قائم نہیں کیا، نہ قدیم جاہلیت کے دور میں، اور نہ جدید جاہلیت کے دور میں۔ ان کے دل و دماغ کے ریشوں میں نسلی اور روایتی علائق کی محبت کچھ اس طرح پلا دی گئی ہے کہ وہ نسلی روابط اور تاریخی روایات کی وابستگی سے قومیت کے تصور کو کبھی پاک نہ کر سکے جس طرح قدیم عرب میں قوم کا لفظ عموماً ایک نسل یا ایک قبیلہ کے لوگوں پر بولا جاتا تھا اسی طرح آج بھی لفظ "نیشن" کے مفہوم میں مشترک جنسیت Common Descent کا تصور لازمی طور پر شامل ہے۔ اور یہ چیز چونکہ بنیادی طور پر اسلامی تصور اجتماع کے خلاف ہے اس وجہ سے قرآن میں لفظ قوم اور اس کے ہم معنی دوسرے عربی الفاظ مثلاً شعب وغیرہ کو مسلمانوں کی جماعت کے لئے اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی اصطلاح اس جماعت کے لئے کیوں کر استعمال کی جا سکتی تھی جس کے اجتماع کی اساس میں خون اور خاک اور رنگ اور اس نوع کی دوسری چیزوں کا قطعاً کوئی دخل

نہ تھا جس کی تالیف و ترکیب محض اصول اور مسلک کی بنیاد پر کی گئی تھی، اور جس کا آغاز ہی ہجرت اور قطع نسب اور ترک علائق مادّی سے ہوا تھا۔

قرآن نے جو لفظ مسلمانوں کی جماعت کے لئے استعمال کیا ہے وہ حزب ہے جس کے معنی پارٹی کے ہیں۔ قومیں نسل و نسب کی بنیاد پر اُٹھتی ہیں اور پارٹیاں اصول و مسلک کی بنیاد پر۔ اس لحاظ سے مسلمان حقیقت میں قوم نہیں بلکہ ایک پارٹی ہیں۔ کیونکہ ان کو تمام دنیا سے الگ، اور ایک دوسرے سے وابستہ صرف اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ ایک اصول اور مسلک کے معتقد اور پیرو ہیں۔ اور جن سے ان کا اصول و مسلک میں اشتراک نہیں وہ خواہ ان سے قریب ترین مادّی رشتے ہی کیوں نہ رکھتے ہوں، ان کے ساتھ ان کا کوئی میل نہیں ہے۔ قرآن روئے زمین کی اس پوری آبادی میں صرف دو ہی پارٹیاں دیکھتا ہے۔ ایک اللہ کی پارٹی (حزب اللہ) ۔ دوسرے شیطان کی پارٹی (حزب الشیطان)۔ شیطان کی پارٹی میں خواہ باہم اصول اور مسلک کے اعتبار سے کتنے ہی اختلاف ہوں، قرآن ان سب کو ایک سمجھتا ہے کیوں کہ ان کا طریقِ فکر اور طریقِ عمل بہرحال اسلام نہیں ہے اور جزئی اختلافات کے باوجود بہرحال وہ سب شیطان کے اتباع پر متفق ہیں۔ قرآن کہتا ہے:۔

"شیطان اُن پر غالب آگیا اور اس نے خدا سے انہیں غافل کر دیا۔ وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں اور جان رکھو کہ شیطان کی پارٹی آخر کار نامراد ہی رہنے والی ہے"

برعکس اس کے اللہ کی پارٹی والے خواہ نسل اور وطن اور زبان اور تاریخی روایات کے اعتبار سے باہم کتنے ہی مختلف ہوں، بلکہ چاہے ان کے آباؤ اجداد میں باہم خونی عداوتیں ہی کیوں نہ رہ چکی ہوں، جب وہ خدا کے بتائے ہوئے طریقِ فکر اور مسلک حیات میں متفق ہو گئے تو گویا الٰہی رشتے (حبل اللہ) سے باہم جڑ گئے اور اس نئی پارٹی میں داخل ہوتے ہی ان کے تمام تعلقات حزب الشیطان والوں سے کٹ گئے۔

پارٹی کا یہ اختلاف باپ اور بیٹے تک کا تعلق توڑ دیتا ہے حتیٰ کہ بیٹا باپ کی وراثت تک نہیں پا سکتا حدیث کے الفاظ ہیں لا یتوارث اھل ملتین۔ دو مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے

وارث نہیں ہوسکتے۔

پارٹی کا یہ اختلاف بیوی کو شوہر سے جُدا کر دیتا ہے حتیٰ کہ اختلاف رونما ہوتے ہی دونوں پر ایک دوسرے کی مواصلت حرام ہو جاتی ہے، محض اس لئے کہ دونوں کی زندگی کے راستے جُدا ہو چکے۔ قرآن میں ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ۔ نہ وہ ان کے لئے حلال نہ یہ اُنکے لئے حلال۔

پارٹی کا یہ اختلاف ایک برادری۔ ایک خاندان کے آدمیوں میں پورا معاشرتی مقاطعہ کرا دیتا ہے، حتےٰ کہ حزب اللہ والے کے لئے خود اپنی نسلی برادری کے ان لوگوں میں شادی بیاہ کرنا حرام ہو جاتا ہے، جو حزب الشیطان سے تعلق رکھتے ہوں۔ قرآن کہتا ہے "مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ مومن لونڈی مشرک خاتون سے بہتر ہے۔ خواہ وہ تمہیں کتنی ہی پسند ہو۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح بھی مشرک مردوں سے نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ مومن غلام مشرک عزت دار سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں کتنا ہی پسند ہو"۔

پارٹی کا یہ اختلاف نسلی و وطنی قومیت کا تعلق صرف کاٹ ہی نہیں دیتا، بلکہ دونوں میں ایک مستقل نزاع قائم کر دیتا ہے جو دائماً قائم رہتی ہے تاوقتیکہ وہ اللہ کی پارٹی کے اصول تسلیم نہ کرلیں۔ قرآن کہتا ہے

"تمہارے لئے بہترین نمونہ ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قوم والوں سے صاف کہدیا تھا کہ ہمارا تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو، کوئی واسطہ نہیں، ہم تم سے بے تعلق ہو چکے اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت پڑ گئی، تاوقتیکہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ مگر تمہارے لئے ابراہیمؑ کے اس قول میں نمونہ نہیں ہے کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا" (سورہ ممتحنہ۔ رکوع اول)

"ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا کرنا محض اس وعدے کی بنا پر تھا جو وہ اس سے کر چکا تھا۔ مگر جب اس پر کھل گیا کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے

دست بردار ہو گیا۔" (سورہ توبہ۔ رکوع ۱۴)

پارٹی کا یہ اختلاف ایک خاندان والوں اور قریب ترین رشتہ داروں کے درمیان بھی محبت کا تعلق حرام کر دیتا ہے حتیٰ کہ اگر باپ اور بھائی اور بیٹے بھی حزب الشیطان میں شامل ہوں تو حزب اللہ والا اپنی پارٹی سے غداری کرے گا اگر اُن سے محبت رکھے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"تم ایسا ہرگز نہ پاؤ گے کہ کوئی جماعت اللہ اور یوم آخر پر ایمان بھی رکھتی ہو اور پھر اللہ اور رسول کے دشمنوں سے دوستی بھی رکھے خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں..... یہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں اور جان رکھو کہ آخر کار اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔" (سورہ مجادلہ۔ رکوع ۳)

دوسرا لفظ جو پارٹی ہی کے معنی میں قرآن نے مسلمانوں کے لئے استعمال کیا ہے وہ لفظ "امّت" ہے حدیث میں بھی یہ لفظ کثرت سے مستعمل ہوا ہے۔ اُمّت اس جماعت کو کہتے ہیں جس کو کسی امر جامع نے مجتمع کیا ہو۔ افراد کے درمیان کوئی اصلِ مشترک ہونی چاہیئے جس کی بنا پر انہیں ایک امّت کہا جا سکے مسلمانوں کو جس اصلِ مشترک کی بنا پر اُمت کہا گیا ہے وہ نسل یا وطن یا معاشی اغراض نہیں ہیں بلکہ وہ اُنکی زندگی کا مشن اور ان کی پارٹی کا اصول اور مسلک ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

"تم وہ بہترین امت ہو جسے نوعِ انسانی کے لئے نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔" (سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۲)

"اور اس طرح ہم نے تم کو ایک بیچ کی اُمّت بنایا ہے تاکہ تم نوعِ انسانی پر نگراں ہو اور رسول تم پر نگراں ہو۔" (سورہ بقرہ۔ رکوع ۱۷)

ان آیات پر غور کیجئے۔ "بیچ کی اُمت" سے مراد یہ ہے کہ "مسلمان" ایک بین الاقوامی جماعت International Party کا نام ہے۔ دنیا کی ساری قوموں میں سے ان اشخاص کو چھانٹ کر نکالا گیا ہے جو ایک خاص اصول کو ماننے، ایک خاص پروگرام کو عمل میں لانے اور ایک خاص مشن کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ لوگ چونکہ ہر قوم میں سے نکلے ہیں اور ایک پارٹی بن جانے کے

بعد کسی قوم سے ان کا تعلق نہیں رہتا ہے ۔ اس لئے یہ بیچ کی اُمت ہیں ۔لیکن ہر ہر قوم سے تعلق توڑنے کے بعد سب قوموں سے ان کا ایک دوسرا تعلق قائم کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دنیا میں خدائی فوج دار کی فرائض انجام دیں ۔"تم نوع انسانی پر نگراں ہو" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ مسلمان خدا کی طرف سے دنیا پر فوج دار مقرر کیا گیا ہے ۔اور" نوع انسانی کے لئے نکالا گیا ہے" کا فقرہ صاف کہہ رہا ہے کہ مسلمان کا مشن ایک عالمگیر مشن ہے ۔ اس مشن کا خلاصہ یہ ہے کہ حزبُ اللہ کے لیڈر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر و عمل کا جو ضابطہ خدا نے دیا تھا اس کو تمام ذہنی اخلاقی اور مادی طاقتوں سے کام لے کر دنیا میں نافذ کیا جائے ۔ اور اس کے مقابلہ میں ہر دوسرے طریقہ کو مغلوب کر دیا جائے ۔ یہ ہے وہ چیز جس کی بنیاد پر مسلمان ایک اُمت بنائے گئے ہیں ۔

تیسرا اصطلاحی لفظ جو مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت استعمال کیا ہے وہ لفظ "جماعت" ہے ۔ اور یہ لفظ بھی حزب کی طرح بالکل پارٹی کا ہم معنی ہے ۔ عَلَيْكُم بِالْجَمَاعَة اور يد الله على الجماعة اور ایسی ہی بکثرت احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ قوم یا شعب یا اس کے ہم معنے دوسرے الفاظ استعمال کرنے سے قصداً احتراز فرمایا اور ان کے بجائے "جماعت" ہی کی اصطلاح استعمال کی ۔ آپ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ "ہمیشہ قوم کے ساتھ رہو" ، یا "قوم کے بغیر اسلام نہیں" ، یا "قوم پر خدا کا ہاتھ ہے" ۔ بلکہ ایسے تمام مواقع پر آپ جماعت ہی کا لفظ استعمال فرماتے تھے ۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے اور یہی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کی نوعیت ظاہر کرنے کے لئے "قوم" کے بجائے جماعت، حزب اور پارٹی کے الفاظ ہی زیادہ مناسب ہیں ۔ قوم کا لفظ جن معنوں میں عموماً مستعمل ہوتا ہے ۔ ان کے لحاظ سے ایک شخص خواہ وہ کسی مسلک اور کسی اصول کا پیرو ہو ، ایک قوم میں شامل رہ سکتا ہے ۔جب کہ وہ اس قوم میں پیدا ہوا ہو اور اپنے نام ، طرز زندگی اور معاشرتی تعلقات کے اعتبار سے اس قوم کے ساتھ منسلک ہو ۔لیکن پارٹی ، جماعت اور حزب کے الفاظ جن معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے اصول اور مسلک ہی پر پارٹی میں شامل ہونے یا اس سے خارج ہونے کا مدار ہوتا ہے ۔ آپ ایک پارٹی کے اصول و مسلک سے ہٹ جانے

کے بعد ہرگز اس میں شامل نہیں رہ سکتے، نہ اس کا نام استعمال کر سکتے ہیں۔ نہ اُس کے نمائندے بن سکتے ہیں، نہ اُس کے مفاد کے محافظ بن کر نمودار ہو سکتے ہیں، اور نہ پارٹی والوں سے آپ کا کسی طور پر تعاون ہو سکتا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ میں پارٹی کے اصول و مسلک سے تو متفق نہیں ہوں لیکن میرے والدین اس پارٹی کے ممبر رہ چکے ہیں، اور میرا نام اس کے ممبروں سے ملتا جلتا ہے اس لئے مجھے بھی ممبروں کے سے حقوق ملنے چاہئیں، تو آپ کا یہ استدلال اتنا مضحکہ انگیز ہوگا کہ شاید سُننے والوں کو آپ کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگے گا۔ لیکن پارٹی کے تصور کو قوم کے تصور سے بدل ڈالئے۔ اس کے بعد یہ سب حرکات کرنے کی گنجائش نکل آتی ہے

اسلام نے اپنی بین الاقوامی پارٹی کے ارکان میں یک جہتی اور ان کی معاشرتی زندگی میں یکسانی پیدا کرنے کے لئے اور ان کو ایک سوسائٹی بنا دینے کے لئے حکم دیا تھا کہ آپس ہی میں شادی بیاہ کرو۔ اس کے ساتھ ہی انکی اولاد کے لئے تعلیم و تربیت کا ایسا نظام تجویز کیا گیا تھا کہ وہ خود بخود پارٹی کے اصول و مسلک کے پیرو بن کر اٹھیں اور تبلیغ کے ساتھ ساتھ افزائش نسل سے بھی پارٹی کی قوت بڑھتی رہے۔ یہیں سے اس پارٹی کے قوم بننے کی ابتدا ہوتی ہے۔ بعد میں مشترک معاشرت، نسلی تعلقات اور تاریخی روایات نے اس قومیت کو زیادہ مستحکم کر دیا۔

اس حد تک تو جو کچھ ہوا درست ہوا لیکن رفتہ رفتہ مسلمان اس حقیقت کو بھولتے چلے گئے کہ وہ دراصل ایک پارٹی ہیں، اور پارٹی ہونے کی حیثیت ہی پر انکی قومیت کی اساس رکھی گئی ہے۔ یہ بھلاوا بڑھتے بڑھتے اب یہاں تک پہونچ گیا ہے کہ پارٹی کا تصور، قومیت کے تصور میں بالکل ہی گم ہو گیا۔ مسلمان اب صرف ایک "قوم" بن کر رہ گئے ہیں، اسی طرح کی قوم جیسی کہ جرمن ایک قوم ہے یا جاپانی ایک قوم ہے یا انگریز ایک قوم ہے۔ لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ ان کے نزدیک اصل چیز وہ اصول اور مسلک ہے جس پر اسلام نے ان کو ایک اُمّت بنایا تھا۔ وہ مشن ہے جس کو پُورا کرنے کے لئے اس نے اپنے پیروؤں کو ایک پارٹی کی صورت میں منظم کیا تھا۔ افسوس مسلمانوں نے غیر مسلم قوموں سے "قومیت" کا جاہلی تصور لے کر اس اصلی چیز ہی کو گم کر دیا۔ یہ ایسی بنیادی غلطی ہے اور اس کے قبیح اثرات اتنے پھیل گئے ہیں کہ احیاء اسلام کے لئے کوئی قدم نہیں

اُٹھ سکتا۔ جب تک کہ اس غلطی کو مٹا نہ دیا جائے۔

ایک پارٹی کے ارکان میں باہمی محبت، رفاقت اور معاونت جو کچھ بھی ہوتی ہے شخصی یا خاندانی حیثیت سے نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف اس بنا پر ہوتی ہے کہ وہ سب ایک اصول کے معتقد اور ایک مسلک کے پیرو ہوتے ہیں۔ پارٹی کا ایک رکن اگر جماعتی اصول اور مسلک سے ہٹ کر کوئی کام کرے تو صرف یہی نہیں کہ اسکی مدد کرنا پارٹی والوں کا فرض نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس پارٹی والوں کا فرض یہ ہوتا ہے کہ اسکو ایسے غدّارانہ اور باغیانہ طرزِ عمل سے روکیں، نہ مانے تو اسکے خلاف جماعتی ضوابط کے تحت سخت کارروائی کریں، پھر بھی نہ مانے تو جماعت سے نکال باہر کریں۔ ایسی مثالیں بھی دنیا میں ناپید نہیں ہیں کہ جو شخص پارٹی کے مسلک سے شدید انحراف کرتا ہے اُسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا مسلمانوں کا حال دیکھئے کہ اُنہوں نے آپ کو پارٹی کے بجائے "قوم" سمجھنے کی وجہ سے یہ کیسی شدید غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جب کوئی شخص اپنے فائدے کے لئے غیر اسلامی اصولوں پر کوئی کام کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں سے توقع رکھتا ہے کہ اس کی مدد کریں گے۔ اگر مدد نہیں کی جاتی تو شکایت کرتا ہے کہ دیکھو، مسلمان مسلمان کے کام نہیں آتے سفارش کرنے والے اُس کی سفارش ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ایک مسلمان بھائی کا بھلا ہوتا ہے، اس کی مدد کرو۔ مدد کرنے والے بھی اگر اس کی مدد کرتے ہیں تو اپنے اس فعل کو اسلامی ہمدردی سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سارے معاملہ میں ہر ایک کی زبان پر اسلامی ہمدردی، اسلامی برادری، اسلام کے رشتۂ دین کا نام بار بار آتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اسلام کے خلاف عمل کرنے میں خود اسلام ہی کا حوالہ دینا اور اسکے نام سے ہمدردی چاہنا یا ہمدردی کرنا صریح لغو بات ہے۔ جس اسلام کا یہ لوگ نام لیتے ہیں اگر حقیقت میں وہ ان کے اندر زندہ ہو تو جونہی ان کے علم میں یہ بات آئے کہ اسلامی جماعت کا کوئی شخص کوئی کام اُصولِ اسلام کے خلاف کر رہا ہے۔ یہ اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں۔ اور اس سے توبہ کرا کے چھوڑیں کسی کا مدد چاہنا اور کسی کا سفارش کرنا تو درکنار، ایک زندہ اسلامی سوسائٹی میں تو کوئی شخص اصول اسلام کی خلاف ورزی کا نام تک زبان پر نہیں لا سکتا لیکن آپ کی اس سوسائٹی میں رات دن یہی معاملہ ہو رہا ہے اور اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ آپ کے اندر جاھلی قومیت آگئی ہے جس چیز کو آپ اسلامی

اخوت کہہ رہے ہیں یہ درحقیقت جاہلی قومیت کا رشتہ ہے جو آپ نے غیر مسلموں سے لے لیا ہے۔

اسی جاہلیت کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ آپ کے اندر "قومی مفاد" کا ایک عجیب تصور پیدا ہو گیا ہے اور آپ اس کو بے تکلف "اسلامی مفاد" بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ نام نہاد اسلامی مفاد یا قومی مفاد کیا چیز ہے؟ یہ کہ جو لوگ "مسلمان کہلاتے ہیں" ان کا بھلا ہو، ان کے پاس دولت آئے، اُنکی عزت بڑھے ان کو اقتدار نصیب ہو، اور کسی نہ کسی طرح انکی دنیا بن جائے بلا اس لحاظ کے کہ یہ سب فائدے اصول اسلام کی پیروی کرتے ہوئے حاصل ہوں یا خلاف ورزی کرتے ہوئے۔ پیدائشی مسلمان یا خاندانی مسلمان کو آپ "مسلمان" کہتے ہیں چاہے اس کے خیالات اور اس کے طرز عمل میں اسلام کی صفت کہیں ڈھونڈے نہ ملتی ہو۔ گویا آپ کے نزدیک مسلمان روح کا نہیں بلکہ جسم کا نام ہے اور صفت اسلام سے قطع نظر کر کے بھی ایک شخص کو مسلمان کہا جا سکتا ہے۔ اس غلط تصور کے ساتھ جن جسموں کا اسم ذات آپ نے مسلمان رکھ چھوڑا ہے انکی حکومت کو آپ اسلامی حکومت، انکی ترقی کو اسلام کی ترقی، ان کے فائدے کو آپ اسلامی مفاد قرار دیتے ہیں، خواہ یہ حکومت اور یہ ترقی اور یہ مفاد سراسر اصول اسلام کے منافی ہی کیوں نہ ہو جس طرح جرمنیت کسی اصول کا نام نہیں محض ایک قومیت کا نام ہے، اور جس طرح ایک جرمن قوم پرست صرف جرمنوں کی سربلندی چاہتا ہے خواہ کسی طریقہ سے ہو، اسی طرح آپ نے بھی "مسلمانیت" کو محض ایک قومیت بنا لیا ہے اور آپ کے مسلمان قوم پرست محض اپنی قوم کی سربلندی چاہتے ہیں۔ خواہ یہ سربلندی اُصولاً اور عملاً اسلام کے بالکل برعکس طریقوں کی پیروی کا نتیجہ ہو۔ کیا یہ جاہلیت نہیں ہے؟ کیا درحقیقت آپ اس بات کو بھول نہیں گئے ہیں کہ مسلمان صرف اس بین الاقوامی پارٹی کا نام تھا جو دنیا میں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ایک نظریہ اور ایک عملی پروگرام لے کر اٹھی تھی؟ اس نظریہ اور پروگرام کو الگ کر دینے کے بعد محض اپنی شخصی یا اجتماعی حیثیت سے جو لوگ کسی دوسرے نظریہ اور پروگرام پر کام کرتے ہیں انکے ان کاموں کو آپ اسلامی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ جو شخص سرمایہ داری کے اصول پر کام کرتا ہو اُسے اشتراکی کے نام سے یاد کیا جائے؟ کیا سرمایہ دارانہ حکومت کو کبھی آپ اشتراکی حکومت کہتے ہیں؟ کیا فاشستی طرز ادارہ کو آپ جمہوری طرز ادارہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں؟ اگر کوئی شخص اِس

طرح اصطلاحوں کو بے جا استعمال کرے تو آپ شاید اسے جاہل اور بے وقوف کہنے میں ذرا تامل نہیں کرینگے مگر یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمان کی اصطلاح کو بالکل بے جا استعمال کیا جا رہا ہے اور اس میں کسی کو جاہلیت کی بو تک محسوس نہیں ہوتی۔

مسلمان کا لفظ خود ظاہر کر رہا ہے کہ یہ "اسم ذات" نہیں بلکہ "اسم صفت" ہی ہو سکتا ہے، اور "پیرو اسلام" کے سوا اس کا کوئی دوسرا مفہوم سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ انسان کی اُس خاص ذہنی اخلاقی اور عملی صفت کو ظاہر کرتا ہے جس کا نام اسلام ہے۔ لہٰذا آپ اس لفظ کو شخص مسلمان کے لئے اس طرح استعمال نہیں کر سکتے جس طرح آپ ہندو یا جاپانی یا چینی کے الفاظ شخص ہندو یا شخص جاپانی یا شخص چینی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا سا نام رکھانے والا جونہی اصول اسلام سے ہٹا، اُس سے یہ حیثیت خود بخود سلب ہو گئی۔ اب وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی شخصی حیثیت میں کرتا ہے۔ اسلام کا نام اسے استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اسی طور پر "مسلمان کا مفاد"، "مسلمان کی ترقی"، "مسلمان کی حکومت وریاست"، "مسلمان کی وزارت"، "مسلمان کی تنظیم" اور ایسے ہی دوسرے الفاظ آپ ان مواقع پر بول سکتے ہیں، جب کہ یہ چیزیں اصول اسلامی کے مطابق ہوں اور اس مشن کو پورا کرنے سے متعلق ہوں، جو اسلام لے کر آیا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو ان میں کسی چیز کے ساتھ بھی لفظ مسلمان کا استعمال درست نہیں۔ آپ ان کو جس دوسرے نام سے چاہیں موسوم کریں۔ بہر حال مسلمان کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے کیونکہ صفت اسلام سے قطع نظر کر کے مسلمان سرے سے کوئی شے ہی نہیں ہے۔ آپ کبھی اس بات کا تصور نہیں کر سکتے کہ اشتراکیت سے قطع نظر کر کے کسی شخص یا قوم کا نام اشتراکی ہے اور اس معنی میں کسی مفاد کو اشتراکی مفاد یا کسی حکومت کو اشتراکی حکومت یا کسی تنظیم کو اشتراکیوں کی تنظیم یا کسی ترقی کو اشتراکیوں کی ترقی کہا جا سکتا ہے۔ پھر آخر مسلمان کے معاملہ میں آپ نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ اسلام سے قطع نظر کر کے مسلمان کسی شخص یا قوم کا ذاتی نام ہے اور اسکی ہر چیز کو اسلامی کہدیا جا سکتا ہے۔

اس غلط فہمی نے بنیادی طور پر اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اور اپنی تاریخ کے متعلق آپ کے رویہ کو غلط کر دیا ہے۔ جو بادشاہتیں اور حکومتیں غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہوئی تھیں آپ انکو "اسلامی"

کہتے ہیں، محض اس لئے کہ اُن کے تخت نشین مسلمان تھے۔ جو تمدن قرطبہ و بغداد اور دہلی و قاہرہ کے عیش پرست درباروں میں پرورش پایا تھا آپ اسے اسلامی تمدن کہتے ہیں۔ حالانکہ اس کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ سے جب اسلامی تہذیب کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو آپ جھٹ سے آگرے کے تاج محل کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، گویا یہ ہے اس تہذیب کا سب سے زیادہ نمایاں نمونہ۔ حالانکہ اسلامی تہذیب سرے سے یہ ہے ہی نہیں کہ ایک میت کو سپردِ خاک کرنے کے لئے ایکڑوں زمین مستقل طور پر گھیر لی جائے اور اس پر لاکھوں کی عمارت تیار کی جائے۔ آپ جب اسلامی تاریخ کے مفاخر بیان کرنے پر آتے ہیں تو عباسیوں، سلجوقیوں اور مغلوں کے کارنامے بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی اسلامی تاریخ کے نقطۂ نظر سے ان کارناموں کا بڑا حصّہ آبِ زر سے نہیں بلکہ سیاہ روشنائی سے جرائم کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ کے زاویۂ نظر میں یہ کجی صرف اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ آپ مسلمان کی ہر چیز کو اسلامی سمجھتے ہیں اور آپ کا یہ گمان کہ جو شخص مسلمان کہلاتا ہے۔ وہ اگر غیر مسلمانہ طریق پر بھی کام کرے تو اس کے کام کو مسلمان کا کام کہا جا سکتا ہے۔

یہی ٹیڑھا زاویۂ نظر آپ نے اپنی ملی سیاست میں بھی اختیار کر رکھا ہے۔ اسلام کے اصول و نظریات اور اس کے مشن سے قطع نظر کر کے آپ ایک قوم کو مسلم قوم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور اس قوم کی طرف سے، یا اس کے نام سے یا اس کے لئے، ہر شخص اور ہر گروہ من مانی کارروائیاں کر سکتا ہے آپ کے نزدیک ہر وہ شخص مسلمانوں کا نمائندہ، بلکہ ان کا لیڈر بھی بن سکتا ہے جو "مسلمانوں کی قوم" سے تعلق رکھتا ہو۔ خواہ اس غریب کو اسلام کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہو۔ آپ ہر اُس پارٹی کے ساتھ لگ چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں جس کی پیروی میں آپ کو کسی نوعیت کا فائدہ نظر آئے، خواہ اس کا مشن اسلام کے مشن سے کتنا ہی مختلف ہو۔ آپ خوش ہو جاتے ہیں جب مسلمانوں کو چار روٹیاں ملنے کا کوئی انتظام ہو جائے، خواہ اسلام کی نگاہ میں وہ حرام کی روٹیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ پھولے نہیں سماتے جب کسی جگہ مسلمان آپ کو اقتدار کی کرسی پر بیٹھا نظر آتا ہے، خواہ وہ اس اقتدار کو بالکل اسی طرح غیر اسلامی مقاصد کے لئے استعمال کر رہا ہو جس طرح ایک غیر مسلم کر سکتا ہے۔ آپ اکثر ان

چیزوں کا نام اسلامی مفاد رکھتے ہیں جو حقیقتاً غیر اسلامی ہیں، ان اداروں کی حفاظت وحمایت پر اپنا زور صرف کرتے ہیں جو اصول اسلام کے بالکل خلاف قائم ہوئے، اور اُن مقاصد کے پیچھے اپنا روپیہ اور اپنی قومی طاقت ضائع کرتے ہیں جو ہرگز اسلامی نہیں ہیں۔ یہ سب نتائج اسی ایک بنیادی غلطی کے ہیں کہ آپنے اپنے آپ کو محض ایک "قوم" سمجھ رکھا ہے اور اس حقیقت کو آپ بھول گئے ہیں کہ دراصل آپ ایک بین الاقوامی پارٹی ہیں جس کا کوئی مفاد اور کوئی مقصد اپنی پارٹی کے اصولوں کو دنیا میں حکمراں بنانے کے سوا نہیں ہے۔ جب تک آپ اپنے اندر قوم کے بجائے پارٹی کا تصور پیدا نہ کریں گے اور اس کو ایک زندہ تصور نہ بنائیں گے۔ زندگی کے کسی معاملہ میں آپ کا رویہ درست نہ ہوگا۔

تقریظ وتبصرہ

فاتحہ تفسیر نظام القرآن

اس آخری دور میں حافظ عبدالحمید فراہی مرحوم قرآن فہمی میں بلند رتبہ رکھتے تھے۔ اُنہوں نے قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی۔ اور اس کا نام نظام الفرقان رکھا۔ اس کے بعض اجزا ان کی زندگی ہی میں شائع ہوئے اور بعض اجزا ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگردوں نے شائع کرنے شروع کئے ہیں۔ اب سورۂ فاتحہ کی تفسیر عربی زبان میں دائرہ حمیدیہ نے شائع کی ہے یہ تفسیر چار جزو کی ہے اس میں تفسیر نظام الفرقان کے اصول ۷ امقدمات ہیں بیان کئے گئے ہیں جو ان لوگوں کے لئے نہایت ضروری ہیں جو اس تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ صاحب موصوف کا بیان نہایت صاف اور زبان بھی سادہ ہے۔ ہرچند سورہ فاتحہ کی ساتوں آیتیں خود اس قدر واضح ہیں کہ وہ مطلقاً کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ عامی سے عامی بھی ان کو بلا دقت کے سمجھتا ہے۔ لیکن زمانۂ قدیم سے علماء اسلام اس کی تفسیریں لکھتے چلے آئے ہیں اور یہ بھی ایک سنت قدیم ہوگئی ہے اس بنا پر حافظ صاحب نے بھی ان آیات کی تفسیر لکھی اور اسمیں بہت سے دقائق علمی اور نکات دینی بیان فرمائے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چھپائی لکھائی صاف ہے۔ قیمت درج نہیں۔ ا-ج

ملنے کا پتہ:- ناظم صاحب دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ

گوہرِ نایاب

(مؤقر مجلہ علی گڈھ میگزین کے اقبال نمبر بابت اپریل ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کا ایک مکتوب گرامی شائع ہوا تھا جس میں کسی صاحب کے اعتراضات کی طرف اشارہ تھا جن کا نام مجلہ مذکور نے حذف کردیا تھا۔ ہم علی گڈھ میگزین کے شکریہ کیساتھ اس خط کی اشاعت کا فخر حاصل کرتے ہیں طلوع اسلام)

لاہور ۔ ۱۲ دسمبر (؟) ۱۹۳۶ء

جنابِ من ، (۱) معترض .... قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہے ۔علی ہذا القیاس اسلامی تصوف میں مسئلہ خودی کی تاریخ اور نیز میری تحریروں سے ناواقف محض ہے ۔مؤخر الذکر صورت میں میں اُسے معذور جانتا ہوں ۔آخر اس غلامی کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس کونسا ذریعہ ہو جس سے وہ اپنی آئندہ نسلوں کو اسلامی تصوّرات کے بننے اور بگڑنے کی تاریخ سے آگاہ کرسکیں ۔غلام قومیں مادّیات کو روحانیات پر مقدّم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں ۔اور جب ان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتی ہیں ۔جس کا مقصد قوتِ نفس اور روح انسانی کا ترفع ہو ۔ (۲) اعتراض کا جواب آسان ہے ۔دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدے کی رُو سے ہر شے پر مقدّم ہے نفس انسانی اور اسکی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا ۔بلکہ ان کے عمل کے لئے حدود معین کرتا ہے ۔ان حدود کو متعین کرنے کا نام اصطلاح اسلام میں شریعت یا قانون الٰہی ہے ۔خودی خواہ مسولینی کی ہو یا ہٹلر کی قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے ۔مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لئے پامال کیا مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا ۔فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابندی نہیں ۔دوسری صورت میں قانون الٰہی واخلاق کی پابند ہے ۔بہرحال خودی کے تعیّن کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے ۔جب احکام الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کرجائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال وعواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیہ اسلام نے فنا کہا ہے اور بعض نے اس کا نام بقا رکھا ہے ۔لیکن ہندی اور ایرانی صوفیہ میں سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تفسیر ویدانت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے ۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

مسلمان اس وقت عمل کے لحاظ سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدہ کی رُو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔ اور ایک یہی نہیں میری تمام تحریریں اس تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

(۳) معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دورِ ترقی میں جنگ کا حامی ہے۔ غلط ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں۔ نہ کوئی مسلمان شریعت کی معینہ حدود کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی رُو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنے اس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور انہیں گھروں سے نکال دیا جائے مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت ہے۔ (نہ حکم) دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۹ : ۴۹ میں بیان ہوئی ہو ان آیاتِ قرآنی کو غور سے پڑھیئے تو آپ معلوم ہوگا کہ وہ چیز جس کو سموئیل ہور جمعیت اقوام کے اجلاس میں (Collective Security) کہتا ہے۔ قرآن نے اس کا اصول کس سادگی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر گذشتہ زمانہ میں مسلمان مدبّرین اور سیاسئین قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمعیت اقوام کو بنے ہوئے صدیاں گذر گئی ہوتیں۔

جمعیت اقوام جو زمانۂ حال میں بنائی گئی ہے۔ اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانون الٰہی کی پابند نہ ہو۔ امن عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورۂ بالا دو صورتوں کے سوائے میں اور کوئی جنگ نہیں جانتا۔ جو غ الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دین کی اشاعت کے لئے تلوار اُٹھانا بھی حرام ہے۔

(۴) شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں ہے۔ اس جانور میں اسلامی فقر کے تمام خصوصیات پائے جاتے ہیں۔ (i) خوددار اور غیرت مند ہے۔ کہ کسی کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ (ii) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا (iii) بلند پرواز ہے۔ (iv) خلوت پسند ہے (v) تیز نگاہ ہے۔

آپ کے خط کا جواب حقیقت میں طویل ہے۔ لیکن افسوس کہ میں طویل خط لکھنا تو درکنار معمولی خط و کتابت سے بھی قاصر ہوں۔ والسلام

محمد اقبال (علیہ الرحمۃ)

صدائے قوم
بخدمت قائدِ ملت مسٹر محمد علی جناح

۲۱-۱۹۲۰ء کی تحریک ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کو شردھانند جی کے شدھی کا افسوں پڑھکر دھڑام سے گرا دینے اور ہندوؤں کے اچانک قلابازی کھا کر اتحاد سے نکل جانے پر جبکہ مسلمان یکہ وتنہا اور حیران کھڑے رہ گئے تھے اور اُن کے سامنے کوئی راہِ عمل نہ تھی اُس وقت میں نے ایک رسالہ لکھکر سمجھدار مسلمانوں کے طبقے میں مفت تقسیم کیا تھا۔ حالت اُس وقت یہ تھی کہ ایک طرف تو مسلمان اُس منہج سے منحرف ہو چکے تھے جو سرسید احمد خاں نے ان کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ دوسری طرف علی برادران نے جو تازہ رہنمائی کی تھی وہ مسلمانوں کے لیے تباہ کن ثابت ہو چکی تھی۔ اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ کوئی نئی راہِ عمل دریافت کی جائے اور نئے مقاصد مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جائیں۔ میں نے اس مسئلے پر غور کیا اور اپنے غور و فکر کا خلاصہ رسالۂ مذکورہ کے صفحہ ۱۹ - صفحہ ۲۰ میں پیش کیا۔ جن میں مسلمانوں کے سامنے ان کی فوری ضروریات اور مستقبل سے متعلق مقاصد جو میری رائے میں مناسب وقت تھے پیش کئے تھے اور مسلمانوں کے سامنے ایک بنا بنایا پروگرام رکھدیا تھا جس میں سے بہت کچھ مسٹر جناح کی چودہ ۱۴ نقاط والی بریوٹ کانفرنس اور اُسکے بعد کی آل انڈیا مسلم پولٹیکل کانفرنس نے اخذ و اختیار کر کے اپنے مطالبات میں شامل کر لئے۔ اور یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سے مقاصد اب حاصل ہو چکے ہیں۔ سندھ جیسا کہ رسالہ مذکور میں تجویز کیا گیا تھا علیٰحدہ ہو چکا ہے سرحدی صوبے میں بھی اصلاحات جن کے دینے سے انکار تھا نافذ ہو چکی ہیں۔ علیگڈھ کے نمونے کے صوبجاتی کالج۔ کلکتہ۔ ڈھاکہ۔ بمبئی۔ سندھ۔ اور پشاور میں قائم ہو چکے ہیں۔ غرض میری پیش کردہ تجاویز میں سے اکثر حاصل ہو چکی ہیں جو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی دسترس سے باہر نہیں ہیں مثلاً پنجاب اور

بنگال میں مسلمان کاشتکاروں کی پستی اور قرض میں گرفتاری کے بارے میں ان صوبوں کی مسلم وزارتیں بہت کچھ کرسکتی ہیں اور کررہی ہیں۔

چونکہ یہ مقاصد بڑی حد تک حاصل ہو چکے ہیں لہٰذا اب اور جدید اور بلند تر مقاصد کی ضرورت ہے قوم کی امامت ایک مدت تک بھٹکتی پھرتی رہنے کے بعد آخر کار اب مسٹر جناح کے قابل اور دانشمند ہاتھوں میں آگئی ہے۔ وہ اس وقت قوم کے سپوت اور امیدگاہ بنے ہوئے ہیں۔ لوگوں کے دل میں ان کی عقیدت ہے۔ لیکن اس عقیدت کے ساتھ اُن کی ذات سے بڑی بڑی امیدیں بھی وابستہ ہیں یہ امیدیں ہرگز ان کے اور کانگریس کے موجودہ نزاع کے تصفیے سے پوری نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً اگر کانگریسی ہندو اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ملازمتوں اور وزارتوں کے بارے میں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ترک کردینگے اور ان کے انتخابات میں مداخلت سے اجتناب کا وعدہ کرلیا جائے تو کانگریس کے ساتھ جو قضیہ ہے وہ رفع ہوجاتا ہے (۱) لیکن اس سے مسلمانوں کی مادّی حالت میں ایک انچ کی ترقی نہیں ہوسکتی وہ ویسے ہی فلاکت زدہ رہتے ہیں جیسے کہ تھے۔ جدید اصولوں پر مسلمانوں کی تعمیرِ نو اور تنظیم کا مہتم بالشان کام علےٰ حالہٖ اچھوتا رہتا ہے۔ حالانکہ قوم کی شدید ترین ضرورت یہی ہے۔ مسٹر جناح کو مسلمانوں کے مسلّمہ رہنما کی حیثیت سے اس کام کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیئے۔ شاذونادر ہی اس قسم کا موقع کسی شخص کو نصیب ہوتا ہے جو انکو حاصل ہے۔ ان کو اپنے تئیں اس آٹھ کروڑ واماندہ ملّت کی اصلاح اور اس کو نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم کی دیگر ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش لانے کی مبارک خدمت سپرد ہونے میں خوش قسمت تصوّر کرنا چاہیئے۔ اور خود کو ہندوستان میں ایک مصطفےٰ کمال اور رضا شاہ بنکر دکھانا چاہیئے۔ سرسیّد احمد خاں بھی اسی مقصد کے حصول میں کوشاں تھے اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمارا مقصد اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنا ہے لیکن اس کام کے لئے ایک مدت عمر ناکافی تھی وہ صرف یہی کرسکتے تھے کہ علیگڈھ کالج اور اپنی تعلیمی تحریک کے ذریعے وہ سامان

---

(۱) قضیہ صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ لیگ کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو الگ قوم اور لیگ کو اس قوم کا واحد نمائندہ تسلیم کیا جائے۔ (طلوعِ اسلام) ✤

اور وہ آدمی پیدا کریں جو اس نصب العین کو کامیاب بنانے میں کارآمد ہوں۔ بالفاظِ دیگر اگر مسٹر جناح نے اس شاندار اور نادر موقع سے جو انکو ملا ہے کچھ کام نہ لیا اور صرف کانگریس کے ساتھ حیص بیص میں اس موقع کو رائگاں جانے دیا اور کوئی ایسا کارنامہ اُن سے عمل میں نہ آیا جو قوم کے حق میں مادی اور مستقل منفعت کا موجب ہو تو ان کا انجام بھی علی برادران کے انجام سے بہتر نہ ہوگا جو آئے اور چلے گئے اور صرف ایک نام کے سوا جسکی یاد میں بڑے بڑے جلوسوں لایعنی جلسوں اور خالی واہ واہوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ کوئی مادی اور محسوس چیز وہ اپنے پیچھے چھوڑ کر نہیں گئے۔ قوم میں جو خمیر اُنہوں نے اٹھایا تھا وہ سب بیکار گیا۔ قوم کو کوئی روٹی یا چپاتی اُس سے حاصل نہ ہوئی۔

سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ قوم کو ایک عالیشان عمارت کا ٹھوس پیکر دیا جائے۔ جس کو دیکھ کر افراد کی ہمتیں بلند ہوں اور قوم ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی نظر آئے۔ یعنی ایک زبردست قومی مرکز قائم کیا جائے جس کے گرد تعمیر کرنے کے لئے قوم سے کہا جا سکے۔ اس کے لئے ایک قومی مرکزی ادارہ یعنی مسلمانانِ ہند کی مستقل مرکزی پارلیمنٹ قائم کی جائے جس کا صدر مقام دہلی ہو۔ اُس کا ایک وسیع دفتر ہو اور قوم کی تعمیر جدید کے لئے جسقدر شعبوں اور وزارتوں کی ضرورت ہے اُن پر وہ دفتر منقسم ہو۔ ادارۂ مرکزیہ کے فرائض میں قوم کی معاشرتی اقتصادی مالی تعلیمی مذہبی سیاسی غرضکہ ہر طرح کی بہتری و ترقی کی نگرانی اور وسائل کی فراہمی شامل ہو۔ سیاسیات بالفاظِ دیگر مسلم لیگ کے کاروبار اس مرکزی نظام کا صرف ایک شعبہ ہونگے۔ دیگر شعبے مثلاً مالی شعبہ مرکزی مقامات میں مسلم بنک قائم کریگا۔ جن کا سب سے بڑا مقصد مسلمانوں کی جائیدادوں کے رہن کے سود کو غیروں کے پاس جانے سے روکنا ہوگا۔ اس سود کے صدیوں سے نصیب دشمناں ہوتے رہنے کی بدولت آج مسلمان اس حالت کو پہنچ گئے ہیں اور تمام دیہات اور شہروں کے بازار و مکانات ان کے ہاتھ سے نکل کر موقع کی جائیدادوں سے وہ بے دخل ہوگئے ہیں۔ جسقدر بربادی کا موجب مسلمانوں کا سود دینا اس ملک میں ہوا ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہوئی۔ جو کچھ باقی ہے وہ بھی نکلا جا رہا ہے۔ کوئی روک تھام اسکی نہیں ہے۔ مرکزی ادارے کا شعبۂ اقتصادیات اس ملک کی صنعتی ترقی میں جو نہایت تیزی

کے ساتھ بڑھ رہی ہے (مگر مسلمانوں کا اس میں وہ حصہ بھی ہاتھ سے نکل گیا جو اس صدی کے شروع میں تھا) مسلمانوں کے کارخانے اور ملیں کھولکر اُن کو حصۂ رسدی دلوائے گا۔ یہ کارخانے اور ملیں مسلمانوں کے عام طبقے کے لئے (جسے اغیار کی ملوں اور کارخانوں سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا گیا ہے اور بیروزگار بھوکا مر رہا ہے) روزگار بہم پہنچائیگا۔ بڑے بڑے سرکاری ٹھیکے لے کر ان کے لئے مزدوری اور کام پیدا کریگا جن کے انتظام اور انصرام میں ہمارے گریجویٹوں کی بھی جو اب خالی مارے مارے پھرتے ہیں کھپت کی صورت ہوگی۔ ایک ایسے شعبے کی بھی قوم کو اشد ضرورت ہے جو اِکّا دُکّا منتشر مسلم آبادی کو جو غیروں میں جذب ہو جانے کے اندیشے میں ہیں اور جذب ہونے شروع ہو گئے ہیں محفوظ و مصئون مقامات میں پہنچا کر آباد کرنے کی سہولتیں مہیا کرے گا۔ اُن کے لئے نئے نہری علاقوں میں کاشت کے لئے اراضیات لے کر امن و آرام کی بستیاں قائم کریگا۔ ایک اور شعبہ اُن لوگوں کے لئے درکار ہوگا جو ملک کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اگر مناسب طور پر تبلیغ کی جائے اور ان کے ساتھ چھوت کا برتاؤ نہ کیا جائے تو ہماری جماعت میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ ہمیں اس ملک ہندوستان میں اپنی تعداد میں اضافہ کرتے رہنے کے کام سے غافل نہ ہونا چاہئے، اسی کی بدولت ہم اس تعداد کو پہنچے ہیں اور اسی کی بدولت اس تعداد سے دو چند سہ چند ہو سکتے ہیں اور اقلیت سے اکثریت میں آسکتے ہیں۔ مسٹر گاندھی کا پونا برت کسقدر اس اصول کی اصل وکُنہ کی سمجھداری اور فہم پر مبنی تھا اور مولانا شوکت علی کا اُنہی ایام میں اُس برت کے مقصد کی تائید میں یہ کلام کس قدر نادانی کا تھا جو انہوں نے فرمایا تھا کہ "اچھوت ہندو قوم کا جزو ہیں۔ مسلمانوں کو اُن سے سروکار نہیں۔ اگر وہ ہندو قوم میں جذب ہو جائیں تو مسلمانوں کو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

فی الحقیقت اچھوت مسلمانوں سے قریب تر حالت میں یعنی اُن کے زیادہ ہم حال ہیں ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے دونوں اچھوت اور ملیچھ ہیں۔ ایک ہی منطقی تعریف میں دونوں شامل ہیں۔ یہ ہندوؤں کی ہٹ دھرمی ہے اور مسلمان کے نام سے بغض للّٰہی کہ وہ اچھوتوں کو تو گلے سے لگاتے ہیں اور مسلمانوں کیساتھ بیش از بیش حقارت اور تعصب کو راہ دیتے ہیں۔

مؤخرالذکر شعبہ جسے شعبہ تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں ایک اور شعبہ اصلاحِ معاشرت کے ساتھ اشتراک کرکے ہمارے علما کیواسطے مستقل مشغلہ اور روزگار مہیا کریگا۔ جس کے فقدان کیوجہ سے علما اسقدر تنگ اور مجبور ہوگئے ہیں کہ اُن کی غیرتِ قومی بڑی حد تک جاتی رہی ہے۔ اُنکو مخالفین کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے تو ہماری آنکھوں نے دیکھ لیا اگر اُن کے لئے کوئی بندوبست نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہ ہوگا جب وہ اغیار کے مذہب کو (بعض سراہنے تو لگے ہیں) قبول بھی کرلیا کرینگے۔ خدا نہ دکھائے وہ دن کہ اس سے اسلام خود ہماری نظروں میں گر جائیگا۔

کرنے کا سب سے پہلا اور ضروری کام ایک ذی رعب و شان مسلم پارلیمنٹ ہاؤس کی تعمیر ہے جامع مسجد دہلی یا قطب مینار کے قریب اُس کی جگہ ہونی چاہیئے جو ہندوستان میں مرکز اسلامی کی عزیز یادگار اور نقش اولین ہے۔ مسجد قوۃ الاسلام کے دروازے پر کندہ قرآنی آیات کے مفہوم سے متبادر ہوتا ہے کہ قطب الدین ایبک فاتح دہلی نے اُسکو مسلمانانِ عالم کے مرکز اعظم یعنے مسجد بیت اللہ مکہ کے نائب کے طور پر ہندوستان کے مرکزی مقام دہلی میں تعمیر کرکے اس ملک میں اسکو مسلمانوں کا مرکز قرار دیا تھا اور قطب مینار کا جھنڈا اُس کے قریب نصب کرکے بتادیا تھا کہ یہاں امن پکڑو اور اس شمع حرم کے پروانہ بنو۔ عامۃ المسلمین مجوزہ مرکز کی طرف پروانہ وار دوڑینگے اور اس کی امداد کرینگے۔ محسوس پیکر میں ایک ٹھوس چیز اُن کی نظروں کے سامنے امداد کیلئے موجود ہوگی۔ مجوزہ عمارت جتنی باہر سے شاندار اور قابلِ فخر ہو اُتنی ہی اندر سے بھی وسیع و شائستہ اور آراستہ ہونی چاہیئے۔ یہ کل عمارت چندے سے بنائی جائے اس طرح کہ مثلاً سَو آدمی فی کس ۲۵ ہزار روپیہ اُس کی تعمیر و آرائش اور اہتمام سے رکھنے کے لئے عطا کریں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسے سو مسلمان کہ فی کس ۲۵ ہزار چندہ دے سکیں ہماری قوم میں موجود ہیں۔ بلکہ بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی جیب سے ہی اُس کی تعمیر کرا سکتے ہیں۔

اس کے بعد آپکو اس عمارت کے شعبہ جات کو چلانے کے لئے مصارف اور اخراجات درکار ہونگے یہ قوم کے افراد سے فراہم کرنے چاہئیں ۸ کروڑ میں سے ایک کروڑ کو برضا و رغبت باقاعدہ سالانہ

ایکروپیہ چندہ ادا کرنے پر آمادہ کرنا لازم ہے۔ جگہ جگہ جلوس نکال کر لیسے رضا کار جو ایکروپیہ سالانہ چندہ باقاعدہ قوم کو بھیجدیا کریں صد در صد ہزار در ہزار، لاکھ در لاکھ پیدا کرنے اور پیدا کرتے رہنے لازم ہیں۔ یہی سارا کام ہے اور یہی اصلی کام ہے۔ اسی پر ہر دردمند مسلمان کی توجہ اور کوشش صرف ہونی چاہیئے۔ خود بھی دے دوسروں سے بھی دلائے اور جو نہ دے سکیں ان کی طرف سے بھی ادا کر کے ثواب لے۔ چٹھیاں فروخت کی جائیں اور منی آرڈر کے فارم چھاپ کر تقسیم کئے جائیں۔ غرض تمام کوششیں عقل اور تدبیر اس مقصد کو حاصل کرنے پر صرف کر دینی چاہئیں۔ یہ مقصد حاصل ہو گیا تو سب کچھ حاصل[1] ہو گیا اور مسلمان اس ملک میں آبرو کے ساتھ زندہ رہنے کے قابل ہو گئے۔ ہر کام کے شروع کرنے کے لئے ایک قدرتی موقع ہوتا ہے یعنی ع "کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیئے"۔ یہ وقت جبکہ مسلمانوں کے دل ہر طرف ہر جگہ دُکھے ہوئے ہیں مصیبتیں پڑ رہی ہیں ذلتیں ہو رہی ہیں۔ اپنی نکبت و فلاکت کا احساس ہر دل میں زور پر ہے۔ عین یہی وقت اس کام کو اٹھا دینے کا ہے اور اُن کو اُن کے روپے سے کچھ کر کے دکھا دینے کا ہے۔ مدد دینے کے لئے آدمیوں کی بھی کمی نہیں بسینکڑوں گریجویٹ اور ندوے اور دیوبند وغیرہ وغیرہ کے پڑھے لکھے مستعد اس کام میں مدد دینے کے لئے لبیک کہنے کو آمادہ پائے جائینگے۔ ضرورت ایک ٹھوس اور معتبر مرکز کی اور اُس کی بلندی پر کھڑے ہو کر مسٹر جناح جیسی شخصیت کے باآواز بلند مسلمانوں کو اپنی مدد کے لئے مالی قربانیاں کرنے کے لئے پکارنے کی ہے۔ اسکے بعد یہ خواب جس کا اس مضمون میں خاکہ کھینچا گیا ہے حقیقت بن جائیگا۔

قوم سے واضح طور پر کہدینا ہے کہ اب وقت صرف بال بچوں کے لئے زندہ رہنے کمانے کا نہیں ہے۔ انفرادی زندگی چھوڑ کر قومی زندگی اختیار کرنے کا ہے۔ قوم زندہ ہو گی تو تمہاری اولاد در اولاد تک کی حالت خود بخود سنبھلی رہیگی ورنہ جو کچھ تم اولاد کے لئے چھوڑ کر جاؤ گے اولاد اُسے ایک پشت میں نہیں تو دوسری پشت میں تباہ کر دیگی۔ ڈوم ڈھاریوں رنڈیوں کسبیوں اور کھیل تماشوں میں تمہارا سرمایہ بٹ لُٹ جائیگا۔ جیسا کہ اب تک اُن سب کا سرمایہ جنہوں نے اولاد

---

[1] یعنی یہ مجوسس مرکز ایک چشمہ ہو گا جہاں سے اصلاح حال کی مختلف سوتیں نہ نکلینگی۔ (طلوع اسلام)

کے لئے چھوڑا لُٹ بٹ چکا اور اب بہت سوں کی اولاد نان شبینہ کو محتاج بھیک مانگتی اور غلامی کرتی ہے۔ بہرحال کم سے کم ایک روپیہ سالانہ قوم کو دینا اور ان حالات میں (جس سے بدتر اور اندیشہ ناک حالات اور کیا ہونگے) کسی کو اپنے مرکز کو بغیر مانگے ایک روپیہ بلا طلب بھیجنا گراں نہیں ہونا چاہئے۔ اس ایک روپیہ سالانہ کی قلیل رقم کی کچھ ہستی اور حقیقت نہیں ہے اُن گرانبار ٹیکسوں، نذرانوں، قومی عطیوں، بلکہ کُل مال وجان سے خدمتوں کے مقابلے میں جو دیگر ترقی یافتہ اقوام کے افراد اپنے ملکی دفاع اور قومی رفاہ کیلئے ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور ہمکو اُن جیسا[1] بننے کی دنیا میں آرزو ہے۔

مسلمانوں کے اپنی اولاد کے نالائق و ناقابل ہاتھوں میں اپنی گاڑھی کمائی اور مال و جائیداد تباہ کرنے کے لئے چھوڑ جانے کا بھی ایک مرکزی اور اُس کے تحت صوبے داری شعبے قائم کرنے سے سدِ باب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ تجویز سارے ہندوستان کے ہزاروں صاحبِ جائداد اور متمول مسلمانوں کو قدرتاً مقبول ہوگی اور وہ اسکو ہر طرف سے لبیک کہینگے۔ اس طرح قوم کی جائداد کا بیشتر حصّہ قومی حکومت کے قبضہ و انتظام میں رجسٹری ہوکر آجائیگا جس میں واقف کے ورثا کیلئے چند پشتوں تک گزارہ ملنے کی شرط لازم ہوگی۔ یہ مرکز اس تدبیر سے بہت جلد مالا مال ہو جائے گا۔ اور مجموعہ ان اوقاف کا ایک بڑی ریاست کے برابر ہوگا جس کے انتظام میں صدہا اہل و قابل مسلمانوں کو روزگار اور کام ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ سب سے پہلے مسٹر جناح کو مصطفےٰ کمال کی طرح قوم کے لئے اپنے ایثار و قربانی کی مثال قائم کرنی لازم ہوگی۔ جو کچھ ترکہ وہ چھوڑنے والے ہوں۔ قوم کے واسطے قوم کے مرکزی نظام کے قبضہ و انتظام میں چھوڑنے کی پہل وہ کریں پھر دیکھیں کہ اُسکی کیسی تقلید ہر جگہ ہوتی ہے۔

مزید غور و فکر سے میری رائے پھر یہی ہوتی ہے اور مجھے کامل وثوق ہے کہ ہم تمام زق زق و بق بق کو چھوڑ کر اپنی متفرق کوششوں کو ایک مرکز کے قیام اور وجود میں لانے کے لئے مرکوز اور وقف کردیں تو آٹھ کروڑ مسلمانوں میں نہ صرف ایک روپیہ سالانہ خود ادا کرنے اور مرکز کو بھیجتے رہنے کی

---

[1] اُن جیسا کیوں؟ کہ مسلمان تو خیر اُمّتہ بہترین قوم کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا۔ (طلوع اسلام)

عادت ڈال سکتے ہیں بلکہ پانچ روپے اور دس روپے اور سو روپے سالانہ قوم کو دیتے رہنے والے بھی صدہا اور ہزارہا مسلمان پیدا کر سکتے ہیں اور قوم کو ہر ضرورت کے لئے مالا مال اور مستغنی کر سکتے ہیں مثلاً علی گڈھ میں اگر ایک شعبۂ انجینیری یا صنعت وحرفت کی ضرورت ہے تو اُس کے لئے برسوں آسمان کی طرف دیکھتے رہنے کے بجائے ایک دن میں سارا سامان مہیا کر سکتے ہیں اور اگر کسی ہندو ریاست میں مسلمانوں کی اقلیت پر ظلم ہو رہا ہے تو اُنہیں بہاول پور کی نئی نہر کے علاقے میں مربع لیکر فوراً منتقل اور چین سے آباد کر سکتے ہیں۔

۸ کروڑ کی عظیم الشان تعداد میں ایسے افراد کی بھی کمی نہ ہوگی جو اپنا کُل سرمایہ بھی قوم پر نثار کر دینے میں دریغ نہ کرینگے۔ مشکل ساری یہ ہے کہ نہ تو قوم کا کوئی معتبر اور مستقل مرکز ہے نہ کوئی کام قومی تعمیر اور عمومی فائدے کا کہیں ہو رہا ہے۔

میں نے خیالات کا یہ سرسری خاکہ پیش کیا ہے اسکو ڈھال کر عمدہ صورت دی جا سکتی ہے اور قواعد و طریقِ عمل مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ مسٹر جناح جیسی ہستی اگر اس کام پر کمربستہ ہو کر کھڑی ہو جائے تو کامیابی اور کامرانی اور شہرتِ عام اور بقائے دوام ان کے لئے حتمی امر ہے ورنہ ع

تختِ زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے

مسٹر جناح کے گزشتہ سال استقبالِ دہلی وغیرہ پر ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا جوش و اجتماع لیکن صرف ایک سوا ایک روپے کی تھیلی پیش ہونا ظاہراً نہایت ہی مایوس کن علامت تھی۔ ان ہزاروں لاکھوں آدمیوں میں سے ہر ایک ایک روپیہ دینے کے قابل تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ کوئی مانگنے والا نہ تھا نہ سامنے کوئی ایسی ٹھوس تجویز تھی جو ان کو اُمنگ دلاتی اور اُبھارتی اور وہ اُس کے جوش میں آکر روپیہ جیب سے نکال پھینکتے۔

مرکزی نظام کو چلانے کے لئے اور اُس کے دماغ کا کام دینے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہوگی اور وہ بآسانی تمام مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبروں کو اس نظام کی مرکزی جماعت اور ٹرسٹیز کے طور پر رجسٹری کرا دینے سے فوراً وجود میں آسکتی ہے۔ یہ مختلف صوبوں کے نمائندہ اور

ذی اثر مسلمان ہوتے ہیں۔ تمام صوبوں کے مسلمان اس جماعت سے مطمئن رہیں گے۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے ساتھ یہ لوگ ادلتے بدلتے رہیں گے۔ اور اپنا شریک کار اور بھی اہل و قابل لوگوں کو بنا سکیں گے۔ خود ان کو بھی اسمبلی کی تعطیلات کے دنوں میں قومی کام کرنے اور مرکزی نظام کے اجلاس منعقد کرنے کا وقت ملتا رہیگا۔ انتخابات میں آئندہ وہی لوگ صوبوں سے منتخب ہوسکیں گے جنہوں نے دلی شغف اور امانت و دیانت کے ساتھ مرکزی نظام کے شعبوں کا کام انجام دیا ہوگا۔ ان کے ادلتے بدلتے رہنے سے بھی کوئی اندیشہ اس امر کا نہوگا کہ یہ نظام قومی یا اُسکے مالیہ پر بیجا تصرف جما سکیں گے۔ اس جماعت کو فوراً صورت دیدینا اور کام شروع کردینا لازم ہے اور ابھی قیادت مسٹر جناح کو کرنی چاہئے کہ یہ کسی اور کے بس کا روگ نہیں مسلمانوں کا مسلّمہ لیڈر رہی یہ صدا جو اس مضمون کی ہے قوم کے سر پر کھڑا ہو کر بلند کرسکتا ہے اور جواب میں لبّیک سُن سکتا ہے۔ ان کے لئے اس میں ہچکچانے کی کوئی بات نہیں۔ بقول کسے ؎

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے ۔ پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے ؛

راقم۔ محمد احتشام الدین عفی عنہ۔ تراہا بیرم خاں دہلی

آپ کی یہ شکایت

بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا۔ یا وقت پر نہیں ملا۔

اور یہ بھی

کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی۔ یا اس میں کوئی فروگذاشت ہوگئی

لیکن

کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

(۱) تبدیلیٔ پتہ کی اطلاع نہیں دی اور

(۲) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہیں لکھا تھا !

پیامِ اقبالؒ اور قرآنِ کریم

(سلسل)

(چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی اے)

اس نظامِ کائنات میں انسان کی صحیح پوزیشن کیا ہے! اسے سب سے پہلے قرآن کریم نے ہی متعین کیا ہے، اسی کا نام حضرت علامہ کے الفاظ میں خودی ہے یہ اعلان آپ کو قرآن ہی میں ملیگا کہ

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيْعًا ۝

جو کچھ زمین اور آسمانوں کے اندر ہے۔ جو کچھ ان پستیوں اور بلندیوں میں ہے سب کچھ تمہارے تابع فرمان کر رکھا ہے۔

یہ تو اس کائنات سے متعلق ہے۔ لیکن قرآن کریم تو اس سے بھی آگے جاتا ہے (اسکا ذکر آگے چلکر آئے گا) حضرت علامہ انسان کی گزری ہوئی کہانیوں کی تحقیق میں زیادہ کاوش پسند نہیں فرماتے کہ وہ ایک نظری سی شئے ہے۔ ہماری "آج" کی دنیا پر اسکا کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا اسلیئے وہ فرماتے ہیں کہ

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

قرآن کریم کوئی علم الحیات (Biology) کی کتاب نہیں کہ اسمیں ان امور کی ریسرچ دے رکھی ہو بایں ہمہ جہاں کہیں ضمناً تخلیقِ انسانی کا ذکر اس میں آگیا ہے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ وہی ہے جسپر انسان اپنے کمال تحقیق کے بعد پہنچے گا۔ یہی حالت دیگر علوم سائنس کے متعلق ہے قرآن میں تبعاً اور ضمناً جہاں جہاں انکا ذکر آگیا ہے وہ ایک حقیقت ثابتہ ہے ہو نہیں سکتا کہ انسانی انکشافات جس نتیجہ پر پہنچیں۔ قرآن اسکے خلاف ہو بشرطیکہ وہ انکشاف حقیقت کی حد تک پہنچ چکا ہو محض قیاس آرائی ہی نہ ہو۔ انسانی انکشاف ہے کیا! یہی نا کہ فطرت کی ایک حقیقت پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل تھی۔ انسانی کد و کاوش نے وہ پردہ اٹھا دیا۔ وہ حقیقت جیسی تھی سامنے آگئی اسی کو انکشاف

کہتے ہیں۔ اثیر اس فضا میں موجود تھا۔ بجلی کی لہریں یہیں تڑپ رہی تھیں اتنا ہی تھا کہ پہلے نگاہ سے اوجھل تھیں۔ اب بے نقاب ہو کر سامنے آگئیں۔ لیکن خدا وہ ہے جسنے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر یہ چھپی ہوتی ہیں تو انسانوں کی نگاہوں سے چھپی ہوتی ہیں۔ خدا کی نگاہوں سے تو چھپی ہوئی نہیں ہوتیں۔ اسلئے جہاں کہیں خدا انکا ذکر کرے گا۔ وہ تو ایسے ہی کرے گا جیسے کوئی اس چیز کی بابت کچھ کہے جو اسکی آنکھوں کے سامنے بے نقاب موجود ہو۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ انسانی انکشافات کے نتائج اور قرآن کریم کا بیان باہمی متضاد ہوں۔ جہاں کہیں تضاد ہو۔ سمجھ لیجئے کہ انسانی تحقیق میں ابھی غلطی ہے جسے وہ حقیقت سمجھ رہا ہے۔ قیاس آرائی ہے کہ جب حقیقت حقیقت ہو کر سامنے آجائیگی تو وہ وہی ہوگی جو اس حقیقت کے پیدا کرنے والے نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے۔ اس نظریۂ ارتقار کو لیجئے جو دورِ حاضرہ کے انکشافات میں ایک معرکۃ الآرا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نظریہ میں جو چیزیں بطور حقیقت کے معلوم ہو چکی ہیں وہ وہی ہیں جنکا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور جنکی روشنی میں اسلامی مفکرین۔ مثل فارابی۔ اور ابن مسکویہ نے ویلیس اور ڈارون سے کہیں پہلے ان نظریوں کی داغ بیل ڈال دی تھی[1] نظریۂ ارتقار اور قرآن کریم ایک جداگانہ مبحث ہے۔ جسے کہیں اور بیان کیا جائے گا۔ لیکن یورپ کے حکما اس نظریہ کے ماتحت انسان کی سابقہ کڑیوں کی تحقیقات کے بعد مطمئن ہو جاتے ہیں اور انسان کو اس سلسلہ کی آخری کڑی سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی موت کے ساتھ یہ سلسلۂ ارتقار بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم اس حصۂ زندگی کو محض ابتدا قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے منزل تو ابھی شروع ہوئی ہے انسان کی موت اس سلسلۂ ارتقار کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک اگلی کڑی کی ابتدا ہے۔ آپ دیکھئے کہ سلسلۂ ارتقار میں جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات تک

---

[1] اسی طرح مثلاً فلکیات کو لیجئے جو کچھ گیلیلو اور کوپرنیکس نے اپنی آنکھوں سے (بذریعہ دوربین) دیکھ کر کہا اور جسپر آج کے نظریۂ فلکیات کا مدار ہے قرآن کریم نے چودہ سو برس پیشتر وہی کچھ کہہ دیا تھا۔ یا اس تخلیقِ ارض و سما کے متعلق جو کچھ سائنس کے انکشافات ثابت کر رہے ہیں ایک ایک چیز قرآن کریم میں موجود ہے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ قرآن کو تو مسلمان کھولکر دیکھتے ہی نہیں۔

آتے آتے ایک نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ اگلی منزل میں بمقابلہ پچھلی منزل کے ایک ایسی کیفیت پائی جاتی ہے جو مجرد مادہ میں موجود نہ تھی۔ مادہ غیر شعوری شے ہے اس میں تعقل و ادراک نہیں۔ لیکن مٹی سے درخت اور درخت سے حیوان کی تدریجی ترقی میں یہ کیفیت نظر آئے گی کہ وہ چیز جو مادہ میں مفقود تھی۔ اُن کی اگلی کڑیوں میں پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ حیوانات میں ایک خفیف سی حد تک عقل و شعور آجاتا ہے اور اس سے اگلی منزل یعنی انسان میں یہ خصوصیت اُبھر کر سطح پر آجاتی ہے۔ شعور و ادراک، جذبات۔ و احساسات پیدا ہو جاتے ہیں، یہ وہ چیز ہے جو مادّہ میں موجود نہ تھی۔ گویا سلسلۂ ارتقار کی ہر کڑی میں "مادیت" سے کسی "غیر مادیت" کی طرف قدم اُٹھتا ہے "خاکی" سے کچھ "نوری" سا ہو جاتا ہے۔ ہر چند یہ "غیر مادی" عنصر اسے ایسا ہی کہنا چاہیئے کیونکہ اور کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا) انسان میں آکر نمایاں ہو گیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ عنصر ابھی اپنے عہدِ طفولیت میں ہے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جائے اسکا آگے بڑھنا ضروری ہے۔ اور یہی آگے بڑھنے کی منزلیں ہیں۔ جہاں جا کر یورپ کے حکماء اور ایک مُسلم حکیم میں فرق شروع ہوتا ہے حکیمِ مومن کے نزدیک حیات ایک مسلسل شے ہے اور موت اسکا خاتمہ نہیں کر دیتی، بلکہ شبِ تیرہ و تار کے بعد ایک نیا دن طلوع کرتی ہے، مادی عنصر میں تو تاریکی ہی تاریکی ہے یہ عقل و خرد۔ یہ شعور ادراک کی چمک تو مادہ سے آگے بڑھنے میں ہی پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہ سلسلۂ ارتقا جتنا آگے بڑھتا جائے گا۔ تیرگی درخشندگی میں تبدیل ہوتی جائے گی۔ وہ لوگ جنکے اس منزل میں اعمال صالح ہونگے۔ یعنی ایسے کام جو اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دیں کہ وہ اس سے اگلی زندگی اس سے نفیس و لطیف۔ اِس سے اعلیٰ و ارفع زندگی بسر کر سکے۔ وہ اوپر کی منزل میں چلے جائینگے جسے جنت کہتے ہیں جنکے اعمال انہیں اصلح (The Fittest) نہیں بنائیں گے وہ سلسلۂ ارتقا کی اگلی منزل میں نہیں پہنچ سکیں گے، وہیں روک دیئے جائیں گے یہ جہنم کی زندگی ہوگی۔ لہٰذا موجودہ زندگی تو انسانی خمیر کے آب و گل کی زندگی ہے۔ ذرا اسے سنور لینے دیجئے۔ پھر دیکھئے کیا بنتا ہے۔ "انسان کا مستقبل" یہ ہے وہ موضوع جو حضرت علامہ کے تمام کلام کا گویا نقطۂ ماسکہ ہے فرماتے ہیں:-

یکے در معنیٔ آدم نگر از من چہ می پرسی ہنوز اندر طبیعت می خلد موزوں شود روزے
چناں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضموں کہ یزداں را دل از تاثیرِ او پُر خوں شود روزے

اِس نظامِ کائنات میں انسان کا درجہ کس قدر بلند ہے اسکے لیئے اس داستان حقیقت کشا کو دیکھیئے جو تخلیقِ آدم کے باب میں پہلے ہی پارہ میں تمثیلاً بیان کی گئی ہے، اور جس میں فطرت انسانی سے خطاب ہے حضرت آدم گویا تمام نوعِ انسانی کے نمائندہ ہیں۔ فرشتوں سے کہا جاتا ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں دُنیا میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں کی معصوم نگاہیں جب اِس ہیولیٰ آب وگل کو غور سے دیکھتی ہیں تو اس میں خون کے چھینٹے اور آگ کی چنگاریاں نظر آتی ہیں۔ عرض کرتے ہیں کہ بارِالٰہا! یہ فتنہ سامانیوں کا مجموعہ اور خلیفہ فی الارض!! اس اعزاز کے مستحق تو کچھ ہم ہی نظر آتے ہیں۔ کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ہم تیری حمد وثنا کرتے ہیں اور اپنے اختیار وارادہ سے کام لیئے بغیر وہی کچھ کرتے ہیں جس کا حکم دیا جاتا ہے۔ خلّاقِ فطرت کے چہرے پر ایک حسین تبسّم نے گُل فشانی کی اور فرمایا کہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں جانتا ہوں۔ کہ یہ مضمون موزوں ہو کر کیا بننے والا ہے، اور تم کیا ہو لیکن اتنا کہہ کر فرشتوں کو ساکت ہی نہیں کر دیا گیا، بلکہ اسکے ثبوت میں عظمتِ آدم کی ایک جھلک بھی دکھا دی، اسے علم الاشیاء علم الفطرت عطا کیا گیا اور فرشتوں سے پُوچھا کہ تم بھی اسکی نسبت کچھ جانتے ہو؟ انہوں نے گردنیں جُھکا دیں۔ اور عرض کیا نہ حضور! لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ ہمیں تو اتنا ہی پتہ ہے۔ جتنا ہمیں سکھایا گیا ہے فرمایا کہ اب بتاؤ کہ یہ ہمارے رازوں کا امین، یہ عظمتوں کا پتلا اس قابل ہے یا نہیں کہ تم اسکے سامنے جُھک جاؤ، اب سوائے اعترافِ حقیقت کے چارہ کیا تھا، وہ جھکے اور بار بار جھکے حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ

کجا نورے کہ غیر از قاصدے چیزے نمی داند کجا خاکے در آغوشش دارد آسمانے را

بالِ جبریل میں فرماتے ہیں ؎

نہ تو زمیں کے لیئے ہے نہ آسماں کے لیئے جہاں ہے تیرے لیئے تو نہیں جہاں کے لیئے

ذرا غور کیجیئے اس فلسفہ پر نظامِ فطرت کی ہر شئے اس غرض سے پیدا کی گئی ہے کہ انسان اِس سے

کچھ کام لے یا وہ انسان کی کچھ خدمت بجالائے۔ اِن اشیاء کا وجود انسان کی زندگی اور زندگی کی ضروریات کے لیئے ہے ہوا نہ رہے تو انسان بھی نہ رہے، پانی نہ رہے تو انسان نہ رہے لیکن اگر روئے زمین پر کوئی انسان باقی نہ رہے تو بھی سلسلۂ کائنات اسی طرح جاری رہے۔ اس میں کوئی نقص واقع نہ ہو۔ اِس سے ظاہر ہے کہ انسان کا وجود اِس نظامِ کائنات کے لیئے نہیں۔ اِسکی تخلیق سے یہ غرض نہیں کہ اسی دُنیا کا ہو کر رہ جائے۔ دُنیا اس کی خاطر ہے یہ دُنیا کی خاطر نہیں۔ یہ اس سے کسی بلند و بالا تر مقصد کے لیئے پیدا کیا گیا ہے اور یہی چیز اُسے نظامِ کائنات سے ممتاز کرتی ہے۔ لیکن یہ شرف اجتبار۔ یہ امتیاز و خصوصیت محض ایک انسان کے گھر میں پیدا ہو جانے سے ہی نہیں حاصل ہو جاتی اسکے لیئے ایک "یقین کامل" اور "عمل پیہم" کی ضرورت ہے۔ جب کسی قوم میں یہ باتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ "خیر اُمت" بنجاتی ہے اس کو حزب اللہ۔ اللہ والوں کی جماعت کہتے ہیں۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس جماعت۔ اس حزب اللہ کا مقام کس درجہ بلند ہوگا۔

اس جماعت کے بھولے ہوئے فرد سے خطاب کر کے فرماتے ہیں :۔

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو — قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو — دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ — تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيْعًا انہی کے لیئے ہی تو ہے
یہی ہیں جنکے متعلق ارشاد ہے۔ کہ۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۳/۱۳۸

مت گھبراؤ۔ مت خوف کھاؤ۔ تم تو دُنیا میں سب سے بلند ہو۔ بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ!

دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو زباں تُو ہے — یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تُو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی — ستارے جسکی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مکاں فانی۔مکیں آنی۔ازل تیرا ابد تیرا   خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

تیری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی   جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے[2]

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[143]

اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بہترین قوم بنایا کہ تم تمام نوعِ انسانی کے اعمال کے نگراں ہو

اور تمہارے اعمال کے نگراں رسول ہوں۔

مسلم کی تو شان یہ ہے کہ یہ تمام دُنیا کی قوموں کے اعمال جائزہ لیتا رہے کہ کون ٹھیک کام کر رہا ہے اور کون راستے سے ہٹ گیا ہے یہ تو تمام اقوامِ عالم کا نگرانِ کار (Superviser) بنا کر بھیجا گیا تھا۔اور رسول اکرمؐ اسکے اعمال کے نگران یعنی اسکے اعمال اُسوۂ حسنہ کے تابع ہوں جو قرآن کی ہی تفسیر ناطق ہے اور تمام دُنیا کی اقوام اسکی روش کو اپنے لیئے نمونہ قرار دیں کہ ہمیں یہ کچھ بننا چاہیے اور اس طرح ہر قوم اپنے اپنے اعمال کو اس کسوٹی پہ پرکھ کر دیکھ لے کہ درست ہیں یا غلط اکس قدر درست ہے

جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جب مومن کے علوِ مرتبت کی یہ شان ہو تو پھر دُنیاوی حکومت وثروت اسکے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔یہ تو بنی ہی اسکے لیئے ہے۔یہ تو اسکی وراثت ہے۔کسی اور کے پاس جا ہی نہیں سکتی۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث   مومن نہیں ہے جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اس فقط کو دیکھیئے کسی اور کا اس میں حصہ نہیں۔یہ بطور حق کے اسپر قابض ہو گا کوئی اور اسے اس سے چھین نہیں سکتا۔اسلیئے کہ یہ وراثت اسے اس مونسِ اعلیٰؐ سے منتقل ہوتی چلی آئی ہے جس کی شان میں ہے کہ نظامِ کائنات کی تخلیق کی غرض وغایت ہی وہ ہیں (حدیثِ لولاک[1]) اسلیئے کہ جب یہ تمام کائنات ایک مردِ مومن کے لیئے بطور خادم کے پیدا کی گئی ہے تو ایسا کہنے میں کیا مبالغہ ہے

---

[1] ہمیں اسوقت اس مروجہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے سے بحث نہیں۔حضرت علامہؒ نے اس سے جو مفہوم لیا ہے وہ عین قرآن کے مطابق ہے اور اسی لیئے اس کا اطلاق بھی عمومی کر دیا ہے

کہ وہ وجودِ اقدس و اعظم جو "ایمان و عمل" کا مظہرِ اتم تھا۔ وہی اسکی تخلیق کی غرض تھا اس لیے حضرت علامہ ہر مومن کو صاحبِ لولاک کہتے ہیں کہ نظامِ کائنات پیدا ہی ایک مردِ مومن کے لیے ہوا ہے، یہ خدا کا فیصلہ ہے اور کس قدر سچا فیصلہ۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۲۱/۱۰۵

اور یقیناً ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا ہے کہ بے شک یہ تمام زمین ہمارے صالح بندوں کی میراث ہے۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث　　مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اور یہ اسلیئے کہ مومن کی تو برابری ہی دُنیا میں کوئی نہیں کر سکتا یہ تو اعلون ہے۔ سب سے بلند و بالاتر ہے

مومنے بالائے ہر بالاترے　　غیرتِ او برنتابد ہمسرے

(باقی)

التماس

دفتر میں جون۔ جولائی اور جنوری کے پرچے ختم ہو گئے ہیں اور جو حضرات اِن مہینوں کے بعد خریدار ہوئے ہیں ان کا اصرار ہے کہ شروع سے پرچے دیئے جائیں تاکہ ان کا فائل مکمل ہو جائے اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو صاحب مذکورہ بالا مہینوں کے رسالہ دفتر میں بھیجدیں گے۔ ۸/ فی کاپی کے حساب سے دفتر خرید لیگا۔ منیجر

نوٹ

(۱) خط و کتابت کا پتہ "منیجر طلوع اسلام" ہونا چاہیئے۔

(۲) منی آرڈر کے کوپن پر اپنا پتہ پورا لکھا کریں۔

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش

تالیف جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ایڈیٹر "ترجمان القرآن"

یہ بے نظیر کتاب دو رسالوں کی صورت میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں اسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ۔ موجودہ حالت اور مستقبل کے امکانات پر ایک نہایت ہی جامع۔ پُرخیال اور سبق آموز تبصرہ کیا گیا ہے ہندوستان کے گذشتہ انقلابات نے مسلمانوں پر کیا کیا اثرات چھوڑے اور اب جو انقلاب آرہا ہے وہ مسلمانوں کو کہاں پہنچا جائیگا؟ اسوقت ہم کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا ہرگز نہ کرنا چاہیئے؟ یا در دیگر متعلقہ سوالات ایسی حکیمانہ صحتِ نظر کے ساتھ واضح کئے گئے ہیں۔ کہ ایک دفعہ بغور پڑھ لینے کے بعد ہندوستان کی اسلامی سیاست آئینہ بن کر سامنے آجاتی ہے۔ اور ہمارے قومی مسئلہ کا کوئی پہلو بھی غیر واضح نہیں رہتا۔ فاضل مؤلف کا نہیں بلکہ پڑھنے والوں کا دعویٰ ہے۔ کہ اس بلند پایہ اور ٹھوس حقائق سے مملو کتاب کا خود پڑھنا اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچانا بجائے خود ایک جہاد ہوگا۔ اور بہت بڑے ثواب کا موجب۔ یہ کتاب کسی تجارتی غرض سے شائع نہیں کی گئی۔ بلکہ مسلمانوں کی سیاسی تعلیم مقصود ہے۔

قیمت حصہ اوّل چار آنے (۱۳۵ صفحات) قیمت حصہ دوم۔ آٹھ آنے (۲۳۵ صفحات)

ملنے کا پتہ:۔ دفتر "ترجمان القرآن" ملتان روڈ۔ لاہور

۸۲۳۱۰

طلوعِ اسلام

یعنی

ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کا ماہوار مجلّہ۔ جو اسلام کے جماعتی نصب العین کے مطابق مئی ۱۹۳۸ء سے شائع ہو رہا ہے۔

طلوعِ اسلام

کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ تمام امتِ اسلامیہ کا مشترکہ پرچہ ہے اِس کا

نصب العین

مسلمانوں میں جماعتی زندگی کا احیا، قرآن کریم کے حقائق و علوم کی اشاعت، سیاسیاتِ حاضرہ میں مسلمانوں کی صحیح اور سچی رہنمائی ہے۔

جو لوگ!

مغربی علوم و فنون سے مرعوب ہو چکے ہیں اُن کو یہ رسالہ بتائے گا کہ دُنیا خواہ کتنی ہی آگے نکل جائے قرآن کریم ہر زمانہ میں اُس سے آگے ہی نظر آئے گا۔

بلند پایہ مضامین!

کا اندازہ اِس سے لگایئے کہ اکثر مضامین کتابی شکل میں کئی کئی بار طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ وہ سیاسیات حاضرہ میں مسلمانوں کا سچا رہنما، بہترین مشیر اور ان پر غور و فکر کی راہیں کشادہ کرنیوالا ہے۔

قیمت سالانہ پانچ روپیہ صہ

نمونہ مفت طلب فرما کر خریداری کا فیصلہ کیجئے! (منیجر طلوع اسلام بلیماران دہلی)

Printed at the Jayyed Press, Delhi. Published by Z. A. K. from Tuluelslam Office, Delhi